BUDE-143

Urdu Afsana Ka Mutala

اُردوافسانہ کا مطالعہ

ڈسپلن آف اردو، اسکول آف ہیومنٹیز
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

بلاک 1
افسانہ: فن اور ارتقا 9

بلاک 2
اُردو افسانہ کے مختلف رجحانات 45

بلاک 3
اُردو کے نمائندہ افسانہ نگار 123

بلاک 4
متن کی تدریس و تفہیم 243

EXPERT COMMITTEE

Professor Satyakam
Director, School of Humanities, IGNOU, New Delhi.

Professor Mohd. Shahid Husain
603/7,Shahjahanabad Apartments, Plot No. 1, Sector-11, Dwarka, New Delhi.

Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim
Gul-e-Afraheim, Street No.4 A, Near Sunny P.C.O, Bypass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.

Professor Wahajuddin Alvi
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia, New Delhi.

Professor Shabnam Hameed
Department of Urdu, University of Allahabad, Prayagraj, U.P.

Professor Diwan Hannan Khan
NCERT, New Delhi.

COURSE COORDINATOR

Dr. Ahmad Ali Jauher, Assistant Professor, Discipline of Urdu, SOH, IGNOU, New Delhi

Editor: Dr. Ahmad Ali Jauher, Assistant Professor, Discipline of Urdu, SOH, IGNOU, New Delhi

COURSE PREPARATION

Writers	Units
Dr. Ahmad Ali Jauher, Assistant Professor, Discipline of Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi	1
Dr. Makhmoor Sadri, Assistant Professor, Department of Urdu, University of Delhi, Delhi	2, 4 & 9
Dr. Mohd Akmal Khan, Assistant Professor, Directoriate of Distance Education Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad	3, 6 & 13
Dr. Abdus Sami, Assistant Professor, Department of Urdu, Banaras Hindu University, Varanasi, UP	5 & 10
Dr. Liaqat Ali, Assistant Professor, Discipline of Urdu, SOH, IGNOU, New Delhi	7
Dr. Md. Nehal Afroz, Assistant Professor, Directorate of Distance Education, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad	8, 12, 16, 19 & 20
Dr. Abdul Hai, Assistant Professor, Department of Urdu, C.M. College, Darbhanga Bihar	11
Dr. Drakhshan Zarrin, Associate Professor, Department of Urdu, Aliah University, Park Circus Campus, Kolkata	14, 15, 17 & 18

PRODUCTION

Mr. Tilak Raj
Assistant Registrar (Pub.)
MPDD, IGNOU, New Delhi

October, 2024

© Indira Gandhi National Open University, 2024

ISBN:

All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the copyright holder.

Further information on the Indira Gandhi National Open University courses may be obtained from the University's office at Maidan Garhi, New Delhi-110068 or the official website of IGNOU at www.ignou.ac.in

Printed and published on behalf of the Indira Gandhi National Open University by Registrar, MPDD, Maidan Garhi, New Delhi

CRC Prepared by Tessa Media & Computers, C-206, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, N.D.-25
Printed at:

فہرست

بلاک 1	**افسانہ: فن اور ارتقا**	**9**
اکائی 1	افسانہ کا فن	11
اکائی 2	اُردو میں افسانے کی روایت	27
بلاک 2	**اُردو افسانہ کے مختلف رجحانات**	**45**
اکائی 3	رومانوی اردو افسانہ	47
اکائی 4	ترقی پسند اُردو افسانہ	63
اکائی 5	تقسیم ہند اور اُردو افسانہ	89
اکائی 6	جدید اُردو افسانہ	101
بلاک 3	**اُردو کے نمائندہ افسانہ نگار**	**123**
اکائی 7	پریم چند کی افسانہ نگاری	125
اکائی 8	سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری	139
اکائی 9	کرشن چندر کی افسانہ نگاری	157
اکائی 10	عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری	181
اکائی 11	راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری	197
اکائی 12	قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری	209
اکائی 13	انتظار حسین کی افسانہ نگاری	223
بلاک 4	**متن کی تدریس و تفہیم**	**243**
اکائی 14	افسانہ 'کفن' کی تدریس و تفہیم	245
اکائی 15	افسانہ 'کالو بھنگی' کی تدریس و تفہیم	267
اکائی 16	افسانہ 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کی تدریس و تفہیم	289
اکائی 17	افسانہ 'چوتھی کا جوڑا' کی تدریس و تفہیم	303
اکائی 18	افسانہ 'لاجونتی' کی تدریس و تفہیم	323
اکائی 19	افسانہ 'پت جھڑ کی آواز' کی تدریس و تفہیم	345
اکائی 20	افسانہ 'شہر افسوس' کی تدریس و تفہیم	359

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

کورس کا تعارف

موجودہ دور میں فاصلاتی نظامِ تعلیم کو سماج میں جو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، اس سے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ اب یہ نظامِ تعلیم ملکی و بین الاقوامی سطح پر رواجِ عام کی شکل اختیار کرتا اور دن بہ دن اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس نظامِ تعلیم کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں لرنرز (سیکھنے والے) کو گھر میں رہتے ہوئے اپنی سہولت کے اعتبار سے تعلیم حاصل کرنے کا پورا اختیار ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ نظامِ تعلیم قریب کے طلبا کے ساتھ ساتھ ہزاروں میل دُور تک کے طلبا کو تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا یکساں موقع فراہم کرتا ہے۔ تیسری خوبی یہ ہے کہ اس میں عمر کی پابندی کی دشواری نہیں ہے۔ چوتھی خوبی یہ ہے کہ یہ نظامِ تعلیم کم خرچ پر بہتر تعلیم حاصل کرنے کا سنہرا موقع دیتا ہے۔ اس نظامِ تعلیم نے سماج کے کمزور اور محروم افراد تک تعلیم کی رسائی کو آسان بنایا ہے۔ غرض اس نظامِ تعلیم نے عصرِ حاضر کے تمام چیلینجز کو قبول کرتے ہوئے سماج کے تمام طبقوں تک تعلیم کو پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان ہی خوبیوں کی بنیاد پر ملکی و بین الاقوامی سطح پر فاصلاتی نظامِ تعلیم کی دل کشی دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ اس نظامِ تعلیم میں باقاعدہ کلاس نہیں ہوتی ہے بلکہ سیلف لرننگ میٹریل کے ذریعے نصابی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر کورس کو تیار کرتے ہوئے کئی بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے تحت طالب علموں کے لیے کورس کو تیار کرتے ہوئے اس بات کا بہ طور خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ طلبا کو کلاس روم میں اپنی اور استاد کی موجودگی کا احساس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس پورے کورس کو مختلف بلاک اور بلاک کے تحت اکائیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اکائی کے ڈھانچے کو دل چسپ بنانے کے لیے اسے 'اغراض و مقاصد'، 'تمہید'، 'اصل موضوع'، 'ماحصل'، 'آپ نے کیا سیکھا؟'، 'اپنا امتحان خود لیجیے'، 'سوالوں کے جوابات'، 'فرہنگ' اور 'کتب برائے مطالعہ' کے تحت مختلف حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ 'اغراض و مقاصد' میں اکائی کے مطالعے کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ 'تمہید' میں اکائی کا مختصر اور مربوط تعارف پیش کیا گیا ہے۔ 'اغراض و مقاصد' کو پڑھتے ہی طلبا کے ذہن میں تجسس اور تحرک پیدا ہوتا ہے۔ 'تمہید' اس تجسس اور تحرک کو اور بڑھاتی ہے اور طلبا کو اکائی پڑھنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کرتی ہے۔ اکائی کے اصل موضوع کو بھی حسب ضرورت ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے تاکہ طلبا دل چسپی کے ساتھ موضوع کے اہم متعلقہ گوشوں کا مطالعہ کر کے اس پر عبور حاصل کریں۔ اکائی سلیس اور آسان زبان میں لکھی گئی ہے تاکہ طلبا کو معلومات حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اکائی کے اصل موضوع کے بعد 'ماحصل' میں اصل موضوع کا نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔ پوری ذہنی آمادگی کے ساتھ اکائی کے اصل مواد اور اس کے نچوڑ کا مطالعہ کر لینے کے بعد 'آپ نے کیا سیکھا؟' کے تحت کچھ نمایاں اور خاص نکات کی نشان دہی کی گئی ہے تاکہ طلبا کو پوری اکائی کا خاکہ اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے۔ اس کے بعد طلبا کو سرگرم رکھنے کے لیے 'اپنا امتحان خود لیجیے' کے تحت کچھ مختصر سوالات قائم کیے گئے ہیں اور 'سوالوں کے جوابات' کے تحت ان مختصر سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں تاکہ طلبا اپنے مطالعہ کا از خود جائزہ لے کر امتحان کی

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

مشق کرسکیں۔طلبا کی آسانی کے لیے ہر اکائی میں ’فرہنگ‘ کے تحت مشکل الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں۔تمام اکائیوں کے آخر میں ’کتب برائے مطالعہ‘ کے تحت معاون کتابوں کی فہرست دی گئی ہے تاکہ طلبا ان کتابوں سے رجوع کر کے اپنی معلومات میں اضافہ اور اپنی علمی تشنگی کی آبیاری کرسکیں۔

’اُردو افسانہ کا مطالعہ‘ کے نام سے بی۔اے کی سطح کا یہ اُردو کورس ۴/ بلاک اور ۲۰/ اکائیوں پر مشتمل ہے۔ یہ ۶/ کریڈٹ کا کورس ہے۔اس کورس کا بنیادی مقصد طلبا کو افسانے کے فن اور اُردو افسانہ نگاری کی اہم جہتوں سے متعارف کراتے ہوئے اس میں دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ یہ کورس اُردو افسانہ نگاری کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں کا خوبصورتی سے احاطہ کرتا ہے۔افسانہ کا فن، اُردو میں افسانے کی روایت، رومانوی اُردو افسانہ، ترقی پسند اُردو افسانہ، تقسیم ہند اور اُردو افسانہ، جدید اُردو افسانہ، پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کی افسانہ نگاری، افسانہ ’کفن‘، افسانہ ’کالو بھنگی‘، افسانہ ’ٹوبہ ٹیک سنگھ‘، افسانہ ’چوتھی کا جوڑا‘، افسانہ ’لاجونتی‘، افسانہ ’پت جھڑ کی آواز‘ اور افسانہ ’شہر افسوس‘ کے منتخب متن کی تشریح و توضیح اور ان افسانوں کا تجزیہ، ان تمام پہلوؤں سے اس کورس میں بحث کی گئی ہے تاکہ اس کے مطالعے کے ذریعے اُردو افسانہ نگاری سے متعلق تمام جہتوں کا ایک مربوط و مبسوط خاکہ سامنے آسکے جس کے ذریعے طلبا کو افسانے کے فن اور اُردو افسانہ نگاری نگاری کی روایت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔’اُردو افسانہ کا مطالعہ‘ کے نام سے یہ کورس ۴/ بلاک اور ۲۰/ اکائیوں پر مشتمل ہے۔

بلاک ۱ ’افسانہ: فن اور ارتقا‘ سے متعلق ہے جس میں کل ۱۲/ اکائیاں شامل ہیں۔

پہلی اکائی کا عنوان (افسانہ کا فن) ہے۔اس اکائی میں افسانے کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے اجزائے ترکیبی اور اس کے فن سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں افسانے کی فنی خصوصیات و امتیازات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری اکائی (اُردو میں افسانے کی روایت) کے عنوان سے ہے۔اس اکائی میں اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش پر روشنی ڈالتے ہوئے اُردو افسانہ کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کی روایت پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس اکائی میں اُردو کے نمائندہ افسانہ نگاروں کے فکر و فن سے بھی بحث کی گئی ہے۔

بلاک ۲ ’اُردو افسانہ کے مختلف رجحانات‘ سے متعلق ہے جس میں کل ۴/ اکائیاں شامل ہیں۔

تیسری اکائی کا عنوان (رومانوی اُردو افسانہ) ہے۔اس اکائی میں رومانوی اُردو افسانہ کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے رومانوی اُردو افسانہ اور اُردو کے نمائندہ رومانوی افسانہ نگاروں کے فکر و فن سے معنی خیز بحث کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس اکائی میں رومانوی اُردو افسانہ کی فکری و فنی خصوصیات یعنی اس کے موضوعات، اسلوب اور زبان و بیان

وغیرہ پر بھی کارآمد گفتگو کی گئی ہے۔

چوتھی اکائی (ترقی پسند اُردو افسانہ) کے عنوان سے ہے۔اس اکائی میں ترقی پسند اُردو افسانہ کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے ترقی پسند اُردو افسانہ اور اُردو کے نمائندہ ترقی پسند افسانہ نگاروں کے فکر و فن پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس اکائی میں ترقی پسند اُردو افسانے کی فکری و فنی خصوصیات سے بھی معنی خیز بحث کی گئی ہے۔

پانچویں اکائی کا عنوان (تقسیم ہند اور اُردو افسانہ) ہے۔اس اکائی میں تقسیم ہند کے سانحے اور اس کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے اُردو افسانے پر تقسیم ہند کے اثرات سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس اکائی میں تقسیم ہند پر لکھے گئے افسانوں کی خصوصیات و امتیازات کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔

چھٹی اکائی (جدید اُردو افسانہ) کے عنوان سے ہے۔اس اکائی میں جدید اُردو افسانہ کے پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے جدید اُردو افسانہ کے آغاز و ارتقا کو بیان کیا گیا ہے۔ساتھ ہی اس اکائی میں نمائندہ جدید اُردو افسانہ نگاروں کے فکر و فن سے بحث کرتے ہوئے جدید اُردو افسانہ کی فکری و فنی خصوصیات و امتیازات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بلاک ۳ 'اُردو کے نمائندہ افسانہ نگار' سے متعلق ہے جس میں کل ۷/اکائیاں شامل ہیں۔

ساتویں اکائی کا عنوان (پریم چند کی افسانہ نگاری) ہے۔اس اکائی میں پریم چند کے سوانحی احوال و کوائف اور ان کی ادبی خدمات کو بیان کرتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کے موضوعات، خصوصیات و امتیازات اور اس کی فکری و فنی انفرادیت و اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔ساتھ ہی اُردو افسانہ نگاری میں منشی پریم چند کے مقام و مرتبے پر بھی اس اکائی میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

آٹھویں اکائی (سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری) کے عنوان سے ہے۔اس اکائی میں سعادت حسن منٹو کے سوانحی احوال و کوائف اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کی فکری و فنی خصوصیات و امتیازات پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اُردو افسانہ نگاری میں سعادت حسن منٹو کے مقام و مرتبے کو بھی اس اکائی میں مدلل انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

نویں اکائی کا عنوان (کرشن چندر کی افسانہ نگاری) ہے۔اس اکائی میں کرشن چندر کے سوانحی احوال و کوائف اور ان کی ادبی خدمات کو بیان کرتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کی فکری و فنی خوبیوں سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ساتھ ہی اُردو افسانہ نگاری میں کرشن چندر کے مقام و مرتبے پر بھی اس اکائی میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

دسویں اکائی (عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری) ہے۔اس اکائی میں عصمت چغتائی کے سوانحی احوال وکوائف اوران کی ادبی خدمات کو بیان کرتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کے موضوعات،فکری وفنی خصوصیات وامتیازات اوراس کی انفرادیت واہمیت سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ساتھ ہی اُردوافسانہ نگاری میں عصمت چغتائی کے مقام ومرتبے کوبھی اس اکائی میں اُجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

گیارہویں اکائی کا عنوان (راجندرسنگھ بیدی کی افسانہ نگاری) کےعنوان سے ہے۔اس اکائی میں راجندرسنگھ بیدی کے سوانحی احوال وکوائف اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کے موضوعات،خصوصیات وامتیازات اوراس کی انفرادیت واہمیت پرتفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس اکائی میں بحثیت افسانہ نگارراجندرسنگھ بیدی کے مقام ومرتبے کوبھی واضح انداز میں نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

بارہویں اکائی (قرۃالعین حیدرکی افسانہ نگاری) کےعنوان سے ہے۔اس اکائی میں قرۃالعین حیدر کے سوانحی احوال وکوائف اوران کی ادبی خدمات پرروشنی ڈالتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کے موضوعات اوراس کے فکری وفنی محاسن پرتفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس اکائی میں بحثیت افسانہ نگارقرۃالعین حیدر کے مقام و مرتبے کوبھی مدلل انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

تیرہویں اکائی کا عنوان (انتظارحسین کی افسانہ نگاری) ہے۔اس اکائی میں انتظارحسین کے سوانحی احوال و کوائف اوران کی ادبی خدمات کو بیان کرتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کے موضوعات اوراس کی فکری وفنی خوبیوں سے معنی خیز بحث کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اُردوافسانہ نگاری میں انتظارحسین کے مقام ومرتبے پربھی اس اکائی میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

بلاک ۴ 'متن کی تدریس وتفہیم' سے متعلق ہے جس میں کل ۶/اکائیاں ہیں۔

چودہویں اکائی (افسانہ'کفن' کی تدریس وتفہیم) کےعنوان سے ہے۔اس اکائی میں پریم چند کے افسانے'کفن' کامنتخب متن پیش کرتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔دوران تجزیہ افسانہ'کفن' کے مرکزی خیال کوبھی بیان کیا گیاہےاوراس کےفنی محاسن پربھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

پندرہویں اکائی کاعنوان (افسانہ'کالوبھنگی' کی تدریس وتفہیم) ہے۔اس اکائی میں کرشن چندر کے افسانے 'کالوبھنگی' کامنتخب متن پیش کیا گیا ہےاورافسانہ 'کالوبھنگی' کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔تجزیے کے دوران افسانہ 'کالوبھنگی' کےمرکزی خیال کوبھی اُجاگرکیاگیاہےاوراس کی فنی خوبیوں سے بھی بحث کی گئی ہے۔

سولہویں اکائی (افسانہ'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کی تدریس وتفہیم) کےعنوان سے ہے۔اس اکائی میں سعادت حسن منٹو کے

افسانے ’ٹوبہ ٹیک سنگھ‘ کا منتخب متن پیش کرتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ تجزیے کے دوران افسانہ ’ٹوبہ ٹیک سنگھ‘ کے مرکزی خیال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے فکری و فنی محاسن بھی اُجاگر کیے گئے ہیں۔

سترہویں اکائی کا عنوان (افسانہ ’چوتھی کا جوڑا‘ کی تدریس و تفہیم) ہے۔ اس اکائی میں عصمت چغتائی کے افسانے ’چوتھی کو جوڑا‘ کا منتخب متن پیش کیا گیا ہے اور اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے مرکزی خیال کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی فکری و فنی خوبیوں سے بحث کی گئی ہے۔

اٹھارہویں اور آخری اکائی (افسانہ ’لاجونتی‘ کی تدریس و تفہیم) کے عنوان سے ہے۔ اس اکائی میں راجندر سنگھ بیدی کے افسانے ’لاجونتی‘ کا منتخب متن پیش کرتے ہوئے افسانہ ’لاجونتی‘ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ دوران تجزیہ افسانہ ’لاجونتی‘ کے مرکزی خیال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے فنی محاسن کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

انیسویں اکائی (افسانہ ’پت جھڑ کی آواز‘ کی تدریس و تفہیم) کے عنوان سے ہے۔ اس اکائی میں قرۃ العین حیدر کے افسانے ’پت جھڑ کی آواز‘ کا منتخب متن پیش کیا گیا ہے اور افسانہ ’پت جھڑ کی آواز‘ کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے مرکزی خیال کو اُجاگر کیا گیا ہے اور اس کی فنی خوبیوں سے بحث کی گئی ہے۔

بیسویں اور آخری اکائی (افسانہ ’شہر افسوس‘ کی تدریس و تفہیم) کے عنوان سے ہے۔ اس اکائی میں انتظار حسین کے افسانے ’شہر افسوس‘ کا منتخب متن پیش کرتے ہوئے افسانہ ’شہر افسوس‘ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ تجزیے کے دوران افسانہ ’شہر افسوس‘ کے مرکزی خیال کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اس فکری و فنی محاسن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ڈاکٹر احمد علی جوہر، اسسٹنٹ پروفیسر
ڈسپلن آف اردو، اسکول آف ہیومنٹیز
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

BUDE-143

Urdu Afsana Ka Mutala

اُردو افسانہ کا مطالعہ

ڈسپلن آف اردو، اسکول آف ہیومنٹیز
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

بلاک

1

افسانہ: فن اور ارتقا

بلاک ۱ کا تعارف	10
اکائی 1 افسانہ کا فن	11
اکائی 2 اُردو میں افسانے کی روایت	27

بلاک ۱ کا تعارف

بلاک ۱ 'افسانہ: فن اور ارتقا' سے متعلق ہے جس میں کل ۱/۲ اکائیاں شامل ہیں۔

پہلی اکائی کا عنوان (افسانہ کا فن) ہے۔ اس اکائی میں افسانے کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے اجزائے ترکیبی اور اس کے فن سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں افسانے کی فنی خصوصیات و امتیازات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری اکائی (اُردو میں افسانے کی روایت) کے عنوان سے ہے۔ اس اکائی میں اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش پر روشنی ڈالتے ہوئے اُردو افسانہ کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کی روایت پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں اُردو کے نمائندہ افسانہ نگاروں کے فکر و فن سے بھی بحث کی گئی ہے۔

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 1 افسانہ کا فن

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 افسانہ کا فن

1.3.1 افسانہ کی تعریف

1.3.2 افسانہ کے اجزائے ترکیبی

1.3.3 افسانہ کا فن

1.3.4 ماحصل

1.4 آپ نے کیا سیکھا؟

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1.6 سوالوں کے جوابات

1.7 فرہنگ

1.8 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- افسانہ کی تعریف سے آگاہ ہوں گے۔
- افسانہ، ناول اور داستان کے درمیان فرق کو سمجھیں گے۔
- افسانہ کے اجزائے ترکیبی سے واقف ہوں گے۔
- افسانہ کے فن سے بحث کریں گے۔
- افسانہ کی فنی خصوصیات و امتیازات سے واقف ہوں گے۔

1.2 تمہید

عزیز طلبا/ طالبات! 'اُردو افسانہ کا مطالعہ' کے اس کورس میں آپ کا استقبال ہے۔ اُردو میں افسانہ جدید نثری صنف ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں مغربی ادب کے زیر اثر اُردو میں افسانہ کا آغاز ہوا۔ بیسویں صدی میں اُردو کی اس نثری صنف نے ایسی حیرت انگیز ترقی کی کہ دنیا کی بڑی زبانوں سے آنکھ ملانے کے قابل ہوگئی۔ اکیسویں صدی یعنی عصر حاضر میں بھی یہ صنف ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اُردو میں افسانہ کی متمول اور ثروت مند روایت موجود ہے۔ اُردو افسانہ کی اسی اہمیت و معنویت کے پیش نظر یہ کورس تیار کیا

گیا ہے۔ اس کورس کی پہلی اکائی میں آپ افسانہ کی تعریف سے آگاہ ہوں گے، افسانہ، ناول اور داستان کے درمیان فرق کو سمجھیں گے اور افسانہ کے اجزائے ترکیبی سے واقف ہوں گے۔ ساتھ ہی افسانہ کے فن سے بھی بحث کریں گے اور افسانہ کی فنی خصوصیات و امتیازات سے بھی واقف ہوں گے۔

1.3 افسانہ کا فن

1.3.1 افسانہ کی تعریف

افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر ہے جس میں کسی خاص واقعے، قصے یا لمحے کو پر اثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے میں زندگی کے کسی واقعے یا کسی بھی پہلو کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ افسانہ سے پہلے ناول اور اس سے پہلے داستان کا رواج تھا۔ جب لوگوں کے پاس بہت وقت تھا۔ ان کی مصروفیت بھی کم تھی تو اس وقت داستان لکھے جاتے تھے تاکہ اسے پڑھ کر لوگوں کا وقت آسانی سے گزر سکے۔ اس زمانے میں طویل قصے اور کہانیوں کو پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کی مصروفیات بڑھتی گئیں، ان کے پاس اب اتنا وقت نہ رہا کہ وہ طویل قصے کہانیاں پڑھ سکیں۔ اسی طرح غیر فطری قصوں سے بھی لوگوں کی دلچسپی کم ہونے لگی۔ تب حقیقت پر مبنی قصے اور کہانیاں لکھی جانے لگیں۔ یہ کہانیاں داستان سے چھوٹی ہوتی تھیں۔ ایسی کہانیوں کو ناول کا نام دیا گیا۔ پھر لوگوں کی مصروفیت اور زیادہ بڑھی تو افسانے کا وجود ہوا جس میں کسی واقعے، قصے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کی طرح اس میں بھی حقیقت نگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں بھی انسانی زندگی سے جڑے حقیقی مسائل یا پہلو کو پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سماجی مسائل کو بھی عیاں کیا جاتا ہے۔ ناول اور افسانے میں فرق یہ ہے کہ ناول میں زندگی کے ہر پہلو کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی واقعات ا?پس میں ملے ہوتے ہیں اور کردار بھی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ جب کہ افسانہ زندگی کے کسی خاص پہلو یا کسی واقعے کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح مختصر کہانی ہونے کی وجہ سے اس میں کردار بھی کم ہوتے ہیں۔

اردو کی جدید نثری اصناف میں افسانہ کو ایک اہم صنف مانا گیا ہے۔ اردو میں اسے مختصر افسانہ اور کہانی بھی کہا گیا ہے۔ اپنی صنفی خصوصیات کے اعتبار سے افسانہ، داستان اور ناول سے مختلف صنف ہے۔ ناول اگر زندگی کے ایک دور کا احاطہ کرتا ہے تو افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو یا ایک انسانی تجربے پر مبنی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی ایک واقعے یا اس واقعے کے تاثر کی بنیاد پر افسانے کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ اردو میں افسانہ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ افسانہ ایک ایسا نثری قصہ ہے جس کے پڑھنے میں آدھے گھنٹے تک کا وقت لگے یا یہ کہ افسانہ کسی شخص کی زندگی کے سب سے اہم اور دلچسپ موقع کو ڈرامائی شکل میں پیش کرنے کا نام ہے۔ ایک ناقد کا کہنا ہے کہ افسانہ کسی ایک واقعہ کا بیان ہے جس میں ابتدا ہو، درمیان ہو، عروج ہو اور خاتمہ ہو۔ افسانہ

کی ایک آسان اور موزوں تعریف یہ کی گئی ہے کہ ’’افسانہ ایک ایسی نثری صنف ہے، جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو کم سے کم لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ بیان کا ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ دلچسپی قائم رہے اور افسانہ کا مقصد بھی واضح ہو جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تاثر کی وحدت ہر حال میں برقرار رہے۔ اُردو کے مختلف اُدبا اور ناقدین نے اپنے اپنے طور پر افسانہ کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر اختر اورینوی افسانہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

’’ایک اچھا افسانہ ایک کامیاب ڈرامے کی طرح معجزہ ہے ایجاز کا۔ باوجود اختصار کے فنّی حیثیت سے وہ ایک حُسنِ کامل ہوتا ہے اور اپنے حسن و تکمیل کی وجہ سے ناظرین کے لیے ذہنی مسرّت کا سامان۔‘‘

(تحقیق وتنقید، اختر اورینوی، پٹنہ، ص:۱۳۰)

لطیف الدین احمد نے افسانہ کی تعریف یوں کی ہے۔:

’’کسی ایک واقعہ یا جذبہ کی تاریخ بیان کر دینا مختصر افسانہ ہے۔‘‘

(فنِ مختصر افسانہ، لطیف الدین احمد، مشمولہ، ساقی، سالنامہ، لاہور، ۱۹۳۸ء، ص:۲۸)

سیّد وقار عظیم افسانہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’افسانہ کہانی میں پہلی مرتبہ وحدت کی اہمیت کا مظہر بنا۔ کسی ایک واقعہ، ایک جذبہ، ایک احساس، ایک تاثر، ایک اصلاحی مقصد، ایک روحانی کیفیت کو اس طرح کہانی میں بیان کرنا کہ وہ دوسری چیزوں سے الگ نمایاں ہو کہ پڑھنے والے کے جذبات واحساسات پر اثرانداز ہو، یہی افسانہ کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے اسے داستان اور ناول سے الگ کیا ہے۔ مختصر افسانہ میں اختصار اور ایجاز کی دوسری امتیازی خصوصیت نے اُس کے فن میں سادگی، حسنِ ترتیب وتوازن کی صفت پیدا کی۔‘‘

(داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص:۱۶)

وحید اختر افسانہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’ادب میں افسانہ اپنے لغوی معنیٰ کے لحاظ سے بھی کسی حقیقی یا فرضی واقعہ کا بیان ہے۔ یہ واقعہ تاریخی بھی ہو سکتا ہے، زمانی بھی، نفسیاتی واردات بھی، تاثر کا زائیدہ بھی......لیکن کہانی میں واقعہ کو بہرحال اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ کہانی واقعہ کا بیان ہے اس لیے کہانی کا اسلوب ہمیشہ سے بیانیہ رہا ہے۔‘‘

(افسانہ کا فن، وحید اختر، مشمولہ، الفاظ (افسانہ نمبر)، علی گڑھ، ۱۹۸۱ء، ص:۲۱)

سعادت حسن منٹو افسانہ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

’’ایک تاثر خواہ وہ کسی کا ہو اپنے اوپر مسلّط کر کے اِس انداز سے بیان کر دینا کہ وہ سننے والے پر وہی اثر کرے، یہ افسانہ ہے۔‘‘

(بحوالہ نقوش (سمپوزیم)، افسانہ نمبر ۱۹۵۲ء، ص:۴۶۸)

راجندر سنگھ بیدی اپنے مضمون ’’افسانوی تجربہ اور اظہار کے تخلیقی مسائل‘‘ میں لکھتے ہیں۔:

’’افسانے اور شعر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہے تو صرف اتنا کہ شعر چھوٹی بحر میں ہوتا ہے اور افسانہ ایک ایسی لمبی اور مسلسل بحر میں جو افسانے کے شروع سے لے کر آخر تک چلتی ہے۔ مبتدی اس بات کو نہیں جانتا اور افسانے کو بہ حیثیت فن شعر سے زیادہ سہل سمجھتا ہے۔ پھر شعر، بالخصوص غزل میں آپ عورت سے مخاطب ہیں، لیکن افسانے میں کوئی ایسی قباحت نہیں۔ آپ مرد سے بات کر رہے ہیں، اس لیے زبان کا اتنا رکھ رکھاؤ نہیں۔ غزل کا شعر کسی کُھردرے پن کا متحمل نہیں ہو سکتا، لیکن افسانہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ نثری نژاد ہونے کی وجہ سے اس میں کُھردرا پن ہونا ہی چاہیے، جس سے وہ شعر سے ممیّز ہو سکے۔‘‘

(افسانوی تجربہ اور اظہار کے تخلیقی مسائل، راجندر سنگھ بیدی، مشمولہ، اُردو افسانہ: روایت اور مسائل، مرتبہ، گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص:۳۱)

سلام بن رزاق افسانے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’میرے نزدیک ایک عمدہ افسانے کی تعریف یہی ہے کہ جسے پڑھنے کے بعد قاری وہ نہ رہے جو پڑھنے سے قبل تھا۔ ایک اچھا شعر، عمدہ افسانہ ایک بلند پایہ ناول ہمیں مسرت وانبساط کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کی تہذیب کرتا ہے اور ہماری پراگندہ سوچ کے دھارے کو زندگی کے بیکراں سمندر سے جوڑ دیتا ہے۔ نیز جس کے مطالعے کے بعد زندگی ہمیں زیادہ بامعنی اور بامقصد لگنے لگتی ہے۔ اگر افسانہ اس کسوٹی پر کھرا نہیں اُترتا تو پھر وہ افسانہ نہیں محض الفاظ کا ڈھیر ہے۔‘‘

(افسانہ کی فنی حیثیت، سلام بن رزاق، مشمولہ، فکر و تحقیق (نیا افسانہ نمبر)، شمارہ:۴، جلد:۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۳ء، ص:۶۳۸، ۶۳۹)

افسانہ کی درج بالا مختلف تعریفوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افسانہ مختصر نثری بیانیہ صنف ہے جس میں زندگی کے کسی ایک گوشہ یا کسی ایک پہلو یا کسی ایک واقعہ کو موثر انداز میں بیان کیا جاتا ہے اور جو قاری کو مسرت و انبساط

کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی عطا کرتا ہے۔افسانہ کوموثر بنانے کے لیے افسانہ نگارکوافسانہ کے فنّی لوازم پلاٹ، کردار، مکالمہ، تکنیک، جزئیات، منظر نگاری اور زبان واسلوب پر بطور خاص توجّہ دینی ہوتی ہے۔

1.3.2 افسانہ کے اجزائے ترکیبی

پلاٹ:

کہانی میں انسانی زندگی سے متعلق جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان ہی واقعات کی فنّی ترتیب کو افسانہ نگاری کی اصطلاح میں پلاٹ کہتے ہیں۔اس فنّی ترتیب میں کہانی کے آغاز، وسط اور انجام کے درمیان منطقی ربط وتسلسل شامل ہے۔ایسی ہی کہانی قاری کے ذہن پر ایک واحد تاثر چھوڑتی ہے۔

کردار نگاری:

کردار کو افسانے کا بنیادی جز قرار دیا گیا ہے، نیز افسانہ نقادوں نے اسے پلاٹ پر مقدم بتایا ہے۔یہ حقیقت بھی ہے کہ پلاٹ کے بغیر افسانے کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔کیوں کہ کہانی کے اندر جدوجہد، تصادم اور ارتقا کا عمل کردار کی موجودگی سے ہی ممکن ہے۔کردار انسانوں کے علاوہ بھی ہوسکتے ہیں، یعنی جاندار اور غیر جان دار۔مثلاً بعض افسانوں میں حیوانات، نباتات، جمادات اور دیگر عناصر کو پیش کیا جاتا ہے چنانچہ وہ بھی ایک قسم کی کردار نگاری ہی ہے۔کیوں کہ انھیں بھی انسانی کرداروں کی طرح فکروعمل سے وابستہ کرکے دیکھا جاتا ہے۔شمس الرحمان فاروقی اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

> ''ای ایم فاسٹر نے بھی کردار کو پلاٹ پر مقدم کیا ہے۔اگر چہ وہ ہنری جیمس کی حد تک نہیں گیا ہے لیکن ان دونوں نے پلاٹ کے مقابلے میں کردار (یعنی واقعات کی کثرت کے مقابلے میں کردار کی نفسیاتی اور ظاہری تصویروں میں تنوع) کو اہمیت اسی لیے دی ہے کہ انسانی توجہ کو برانگیختہ کرنے کے لیے کردار جتنا کارآمد ہے، واقعہ اتنا کارآمد نہیں ہے۔(افسانے کی حمایت میں۔ص:107)

افسانے کے فن میں کردار نگاری کو بڑا اہم جز مانا گیا ہے۔افسانہ کا براہ راست تعلق انسانی زندگی سے ہے۔انسانی زندگی کے کسی گوشے یا کسی پہلو کو کہانی میں کرداروں کے توسط سے پیش کیا جاتا ہے۔اس لیے کہانی میں کردار نگاری مقصد نہیں، ذریعہ ہے۔کہانی میں کردار کے سہارے ہی قصہ آگے بڑھتا ہے اور انجام کو پہنچتا ہے۔ کردار ناول میں بھی ہوتے ہیں مگر افسانہ اور ناول دونوں کی کردار نگاری میں فرق ہے۔ناول میں کرداروں کی پوری زندگی یا اس کی مجموعی حیثیت کو پیش کیا جاتا ہے جب کہ کہانی میں کردار کی محض ایک جھلک نظر آتی ہے یا اس کے کسی ایک رُخ یا ایک پہلو پہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔بعض کردار مثالی ہوتے ہیں یعنی وہ شروع سے آخر تک نیک ہوتے ہیں یا بد ہوتے ہیں۔ایسے کردار فنّی اعتبار سے کمزور اور معیوب سمجھے جاتے ہیں۔بعض کردار پیچیدہ ہوتے

ہیں یعنی انسان کی طرح ان میں بھی خیر وشر کے پہلو ہوتے ہیں اور ان میں مختلف طرح کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ایسے کردار فنّی اعتبار سے مستحسن تسلیم کیے جاتے ہیں۔کردار جتنے فطری اور حقیقی ہوں گے، وہ اتنا ہی قاری کے ذہن پر اپنا اثر چھوڑنے میں کامیاب ہوں گے۔ایسی کردار نگاری کوفن کا عمدہ نمونہ مانا جاتا ہے۔جیسے پریم چند کے افسانہ''کفن'' کے کردار مادھو، گھیسو اور بدھیااور سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر وغیرہ کے بعض افسانوں کے کردار قاری کے ذہن ودماغ میں رچ بس گئے ہیں اور بھلائے نہیں بھولتے۔بعض افسانوں میں کردار، اس کی شخصیت اور اس کی زندگی کے کسی پہلو پر اس طرح روشنی ڈالی جاتی ہے کہ کردار مرکزِ توجہ بن جاتا ہے۔ایسے افسانوں کو کرداری افسانہ کہا جاتا ہے۔کردار بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، جیسے حقیقی کردار، علامتی کردار اور تمثیلی کردار، بہتر کردار وہ ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور اس کے دل میں اپنا انمٹ نقوش چھوڑ جائے۔

مکالمے:

افسانے میں کرداروں سے جو گفتگو اوران کی زبان سے جو باتیں کہلوائی جاتی ہیں، انھیں مکالمہ(Dialogue) کہا جاتا ہے۔بہتر مکالمے وہ ہیں جو مختصر اور برجستہ ہوں اور کرداروں کی ذہنی، ماحولیاتی، سماجی اور بود وباش ورہن سہن سطح کے مطابق اوران کی اپنی زبان/بولی/ٹھولی میں ہوں۔نیز کرداروں کی داخلی وخارجی شخصیت اوران کی نفسیات کے عکاس ہوں۔ایسے مکالمے موزوں ومناسب اور فطری وحقیقی سمجھے جاتے ہیں جوفنی اعتبار سے کہانی کو استحکام بخشتے ہیں۔

تکنیک:

افسانہ کی تشکیل وتعمیر میں تکنیک ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔اس کے متعلق ممتاز شیریں اپنے ایک مضمون میں یوں رقم طراز ہیں:۔

> ''تکنیک کی صحیح تعریف ذرا مشکل ہے۔تکنیک مواد، اسلوب اور ہیئت سے ایک علاحدہ صنف ہے...فنکار مواد کو اسلوب سے ہم آ ہنگ کر کے اُسے ایک مخصوص طریقے سے متشکل کرتا ہے۔افسانے کی تعمیر میں جس طریقہ سے مواد ڈھلتا ہے وہی''تکنیک'' ہے...اور آخر میں جو شکل پیدا ہوتی ہے اسے''ہیئت'' کہتے ہیں اور جو چیز بنتی ہے وہ''افسانہ''۔ ہیئت اور افسانہ میں یہ فرق ہے کہ ہیئت مکمل شکل ہے اور افسانہ مکمل چیز...صرف اچھا مواد یا اچھی تکنیک کسی افسانے کو اچھا نہیں بنا سکتی۔کامیاب فنکار ہر طرح کے موضوع سے ایک اچھا افسانہ تخلیق کرسکتا ہے۔''(۸)

افسانہ کی کوئی متعین اور واجب العمل تکنیک نہیں ہے نہ ہی اس کے کوئی مدارج مقرر کیے جاسکتے ہیں کہ کون سی تکنیک بہترین ہے اور کون سی کمتر۔ تکنیکی معیار ایک نہیں ہوسکتا۔ ہر موضوع اور ہر مواد کے لیے الگ تکنیک کی ضرورت ہے۔ ایک خاص مواد ایک خاص تکنیک کے استعمال سے زیادہ پراثر ہوجاتا ہے۔ اس کا استعمال مجموعی تاثر پیدا کرنے یا اس کو بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ گویا تکنیک مقصد نہیں بلکہ وسیلہ ہے۔ اس کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہے۔ کسی مخصوص تکنیک کی پابندی کے لیے ایک خاص قسم کی فنّی بصیرت درکار ہے جس کی مدد سے فنکار اپنی کہانی کو اچھے تخلیقی ادب کا نمونہ بنا سکتا ہے۔

جزئیات نگاری:

افسانے کے فن میں جزئیات نگاری کو بھی ایک اہم عنصر کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ جزئیات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نہ اتنی طویل ہوں کہ افسانہ میں ثقالت اور بوجھل پن کا احساس ہو اور نہ اتنی مختصر ہو کہ افسانہ کی مخصوص فضا بھی نمایاں نہ ہوسکے۔ بہتر جزئیات وہ ہیں جو نہ زیادہ طویل ہو اور نہ زیادہ مختصر، بلکہ موزوں ہوں اور جن سے کہانی کی مخصوص فضا کو نمایاں کرنے میں مدد ملے یا جن سے کردار کے کسی پہلو یا کہانی کی تھیم پر روشنی ڈالی جا سکے۔ یعنی جزئیات فضول نہ ہو بلکہ اس کا براہ راست تعلق کہانی سے ہو۔ ایسی جزئیات نگاری فنّی اعتبار سے اچھی سمجھی جاتی ہے اور اس سے کہانی فنّی طور پر سجتی، سنورتی اور نکھرتی ہے۔

منظر نگاری:

افسانہ میں جب کوئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے تو اس واقعہ سے متعلق کسی اہم منظر (Scene) کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ افسانہ میں بیان کردہ واقعہ کو اس کے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ اُجاگر کیا جاسکے۔ منظر نگاری سے کہانی میں کئی طرح کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے دلچسپی، سحر کاری، واقعہ کا موثر ہونا اور اس کے پس منظر کا نمایاں ہونا وغیرہ۔ اس لیے کہانی میں منظر نگاری کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ منظر نگاری میں نہ بے جا طوالت ہو، نہ غیر معمولی اختصار، بلکہ ایسی منظر نگاری ہو جو کہانی کی فضا اور تھیم کو ابھارنے اور کہانی کو موثر بنانے میں مدد کرے۔

نقطۂ نظر:

نقطۂ نظر ادب کی ہر صنف کے لیے ضروری ہے کیوں کہ فن کار کی شخصیت کا پورا اظہار ان کے نقطۂ نظر کے ذریعے ہوتا ہے۔ افسانہ نگار کا نقطۂ نظر اس کے افسانوں پر اپنا عکس ڈالتا ہے کیوں کہ اس کا تعلق افسانے کے مرکزی خیال سے ہوتا ہے اور یہی افسانہ لکھنے کا محرّک بھی بنتا ہے۔ افسانہ نگار اپنی جو بات کہنا چاہتا ہے اس کے لیے وہ ایک پلاٹ بناتا ہے گویا افسانے کے مواد کی بنیاد افسانہ نگار کے نقطۂ نظر پر ہوتی ہے۔ نقطۂ نظر ہی ان کے کرداروں کی تشکیل کرتا ہے۔ نقطۂ نظر کو افسانہ میں اتنا حاوی نہیں ہونے دینا چاہیے کہ فن مجروح ہونے لگے بلکہ صرف اس کا عکس افسانہ میں محسوس کیا جانا چاہیے۔

ماحول وفضا:

افسانہ میں ماحول وفضا کی ایک خاص اہمیت ہے۔افسانہ میں ایک خاص ماحول وفضا کو پیش کیا جاتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ اس ماحول وفضا اور پس منظر کو نمایاں کیا جائے۔اس کے لیے جزئیات اور منظر نگاری کا سہارا لیا جاتا ہے۔جس افسانہ میں پیش کردہ واقعہ کے ماحول وفضا اور پس منظر کو اس طرح ابھارا جائے کہ قاری اس میں اپنی شرکت محسوس کرے اور اس میں رچ بس جائے، وہ افسانہ فنّی طور پر کامیاب سمجھا جاتا ہے۔اگر ایسا نہیں ہے تو افسانہ کے فنی طور پر کمزور ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

زبان وبیان:

افسانہ نثری صنف سخن ہے۔اس لیے اس کی زبان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نثری ہو نہ کہ شاعرانہ۔افسانہ کی زبان کو مسجّع ومقفّیٰ اور انشائیہ نما اُسلوب سے پاک اور صاف ستھری نثر ہونی چاہیے۔افسانہ میں کرداروں کے مکالموں میں علاقائی بولی ٹھولی، محاوروں، کہاوتوں اور ضرب المثل وغیرہ کا آنا فطری ہے۔افسانہ کی زبان کو موضوع ومواد اور کردار کی اپنی سطح کے مطابق ہونی چاہیے۔کہانی میں زبان جتنی موثر ہوگی، کہانی بھی اتنی ہی موثر ہوگی۔

اسلوب:

افسانے میں اسلوب کی بھی بڑی اہمّیت ہے۔اسلوب کسے کہتے ہیں؟اس ضمن میں ممتاز شیریں لکھتی ہیں:

> ''ایک برتن بنانے کے لیے سب سے پہلے مٹی کی ضرورت ہے۔اسے ''خام مواد'' سمجھ لیجیے۔پھر اس میں رنگ ملایا جائے گا۔یہ ''اسلوب'' ہے۔'' (۹)

ممتاز شیریں کے اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ مواد میں رنگ بھرنے کا نام اسلوب ہے۔جس طرح رنگ کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، اسی طرح اسالیب بھی مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ہر فن کار کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے جو اُسے دوسرے فن کاروں سے الگ کرتا ہے۔کسی فن کار کی اِنفرادیت کو پہچاننے، پرکھنے یا یہ پتہ لگانے کے لیے کہ اس میں اِنفرادیت ہے بھی یا نہیں، اس کے اسلوب کا جائزہ لیا جاتا ہے اور کسی فن پارہ کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے اُس کے اسلوب کا حوالہ دینا ضروری ہے۔اسلوب یا اسٹائل محض موضوع کی زیب وزینت یا آرائش نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے جو موضوع یا مضمون کو فن میں تبدیل کرتا ہے۔اس لیے ایک فن کار کے لیے طریقہ اظہار سے واقف ہونا اور اظہار کے مختلف پیرایوں پر عُبور حاصل کرنا ضروری ہے۔یہ فنّی صلاحیت ہوتی ہے جو کہیں تو خداداد ہوتی ہے اور کہیں اکتساب کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔دونوں صورتوں میں فن کار کے لیے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ تینوں بہت ضروری ہیں۔افسانہ کے مختلف اسالیب ہوتے ہیں جیسے سادہ، پیچیدہ، رنگین، حکایتی، داستانی، تمثیلی اور حقیقت پسندانہ اسالیب وغیرہ۔بہتر اسلوب وہ ہے جو موضوع ومواد سے پوری طرح ہم آہنگ ہو کر کہانی میں ایسی کشش پیدا کرے جو قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلے۔

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

موضوع:

افسانہ کا اپنا کوئی مخصوص موضوع نہیں ہوتا۔ دنیا اور انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی واقعہ، جذبہ، احساس، تجربہ، مشاہدہ اس کا موضوع بن سکتا ہے۔ گویا انسانی زندگی جتنی وسیع ہے اتنی ہی وسعت افسانہ کے موضوعات میں پائی جاتی ہے جو زندگی کے سچّے، حقیقی اور فطری مُرقعے پیش کرتے ہیں۔ ان کا مقصد زندگی کی وسعتوں میں سمٹی ہوئی تمام موجودات کی تشریح، وضاحت، ان کا تجزیہ، توجیہہ و تعلیل پیش کرنا ہے۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے مشاہدات و تجربات سمیٹے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ انفرادی و اجتماعی زندگی کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ کسی بھی موضوع کو افسانہ کے سانچہ میں ڈھالنے کے بعد تخلیق کار اسے کوئی خوبصورت اور موزوں نام دینا چاہتا ہے۔ اکثر اوقات سرخی کے ذریعہ افسانہ کے مرکزی خیال و مقصد کو سمجھا جا سکتا ہے۔ موقع و محل کے مطابق ہی موزوں اور مختصر سُرخیاں رکھی جانی چاہئیں۔

آغاز و اختتام:

اس کا مطلب یہ ہے افسانہ ایسا ہو کہ کہانی شروع ہوتے ہی پڑھنے والا اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور دلچسپی سے پڑھتا جائے اور ساتھ ہی اس کے اندر یہ خواہش پیدا ہو کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ اس طرح یہ خواہش آخر تک برقرار رہے۔ پھر جب افسانہ ختم ہو تو پڑھنے والے کے دل پر وہ ایک گہرا نقش چھوڑ جائے۔

وحدت تاثر:

افسانے میں وحدت تاثر کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ وحدت تاثر کا مطلب یہ ہے کہ افسانے سے قاری کے ذہن پر کوئی ایک ہی تاثر یا کیفیت گزرے۔ یعنی افسانے میں ایک ہی کیفیت کو دکھایا جاتا ہے۔ اگر خوشی کی کیفیت دکھائی جا رہی ہے تو شروع سے آخر تک افسانے میں خوشی کی کیفیت کو ہی پیش کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں خوشی ہے، کہیں غم اور کہیں ڈر وغیرہ۔

1.3.3 افسانہ کا فن

افسانہ کہتے ہیں خیالی بات کو جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ ادبی اصطلاح میں افسانہ ایسے نثری نصف کو کہتے ہیں جس میں کسے ایسے واقعے یا قصے کو بیان کیا گیا ہو جسے مختصر وقت میں پڑھا جا سکے۔ اردو ادب میں افسانے کی ابتدا سترہویں صدی میں داستان کی شکل میں ہوتی ہے، اور اردو زبان اولین نثری داستان لکھنے کا سہرا ملا وجہی کے سر بندھتا ہے۔ ملا وجہی نے 1045ھ مطابق 1635 میں 'سب رس' کے نام سے اسے تحریر کیا۔

افسانے نے بہت جلد لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی۔ مختصر افسانے کی ابتدا بیسوی صدی کی پہلی دہائی سے ہوتی ہے۔ راشد الخیری نے 1903 میں نصیر اور خدیجہ نامی افسانہ تحریر کیا جو مخزن میں لاہور سے شائع کیا گیا۔ یہ اردو زبان کا پہلا افسانہ تھا۔ صنف افسانہ کو بلندی وعروج پر پہنچانے میں منشی پریم چند کی جد و جہد اور ان کی

کاوشوں کا بہت بڑا عمل، دخل ہے۔ 1908 میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' کے نام سے شائع ہوا جس نے ایک طرف انگریزی سرکار کی ناک میں دم کیا تو دوسری طرف اس نے ہندستانیوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی اور انھیں شعور بخشا، چنانچہ اس کی اشاعت کے پرس ہی اس مجموعے کو انگریزی حکومت نے ضبط کر لیا اور اس ایک تحقیق کے مطابق اس کی کاپیاں نذر آتش کر دیں۔

1933 میں افسانوی مجموعہ انگارے کی اشاعت کے بعد مصنفین نے اس کی طرف خصوصی توجہ کرنی شروع کی۔ ترقی پسند مصنفین نے اس صنف کو مزید ترقی دی اور اسے اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کا ایک آلے اور ذریعے کے طور پر استعمال کیا۔ نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم، مجنوں گورکھپوری، علی عباس حسینی، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، سہیل عظیم آبادی جیسے بڑے افسانہ نگاروں نے اس صنف کی آب پاشی و آبیاری کی جس کے نتیجہ میں اس صنف نے ایک قلیل عرصے میں کثیر مقبولیت حاصل کیا۔ بقول وقار عظیم افسانہ نے انیسویں صدی سے اب تک جو درجہ حاصل کیا ہے اس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام اصناف کے مقابلے میں اس صنف نے زیادہ ترقی کی اور یہ زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں اول تو اس میں ناول، ڈراما، شاعری اور فنونِ لطیفہ کی خصوصیت ایک جگہ موجود ہیں، دوسرے اس کے پڑھنے کے لیے مختصر وقت درکار رہتا ہے، جس کے بنا پر اسے ہر شخص اپنی دماغی تھکن کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ (افسانہ نگاری، ص:19)

مذکورہ بالا تفصیلات مزید اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اردو میں افسانہ شارٹ اسٹوری (Short Story) کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یہ بیسویں صدی کے آغاز میں مغرب کے زیرِ اثر، انگریزی کے وسیلے سے ہمارے ادب میں داخل ہوا ہے، لیکن روزِ اول سے ہندستانی رنگ و روپ میں رچ بس کر مقامی مزاج سے اس طرح ہم آہنگ ہو گیا کہ اسے درآمد شدہ ادبی صنف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی ہیئت مغربی ہے اور فن کا اکتساب بھی مغرب ہی سے کیا گیا ہے مگر اس کی دیگر صفات کا سلسلہ ہمارے قدیم ادبی سرمائے تک دراز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ادب سے متاثر ہونے کے باوجود اردو افسانے کی اپنی ایک شناخت اور پہچان ہے۔ اس نے ہندستان میں پروان چڑھنے والی کہانیوں کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے ملکی معاشرت، تہذیب اور قومی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ اس صنف کی پہچان عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں:

I اختصار ہوتا ہے۔

II زندگی کا موثر اظہار ہوتا ہے۔

III ارتکاز اور دلچسپی کے ساتھ بھرپور تاثر ہوتا ہے۔

1.3.4 ماحصل

اردو کی جدید اصناف میں افسانہ یا مختصر افسانہ بھی خصوصیت اہمیت و مقام کا حامل ہے۔ گو اسے مغربی ادب سے

درآمد کیا گیا ہے مگر چوں کہ اس نے ابتدا سے ہی ہندستانی اور دیسی رنگ وروپ اختیار کر لیا، نیز قدیم داستانوں اور قصوں جیسے عناصر واجزائے ترکیبی اختیار کر لیے (جن میں بعد اضافے بھی ہوئے) تو یہ صنف دیسی اور مقامی ہی کہلانے لگی۔ اس کا آغاز 19 صدی کے آخر اور 20 ویں صدی کی ابتدا میں ہوا اس طرح اس کی عمر محض سوا سو سال ہے، مگر اس سوا سو سال کے عرصے میں یہ اپنی معاصر اور مابعد کی اصناف سے بھی آگے نکل گیا۔ جہاں تک اس کی تعریف اور شناخت کی بات ہے تو اس ضمن میں ماہرین ادب و فکشن متعدد وضاحتیں اور تفصیلات پیش کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں ملاحظہ کیجیے:

افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر ہے جس میں کسی خاص واقعے، قصے یا لمحے کو پر اثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے میں زندگی کے کسی واقعے یا کسی بھی پہلو کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ افسانہ سے پہلے ناول اور اس سے پہلے داستان کا رواج تھا۔ جب لوگوں کے پاس بہت وقت تھا۔ ان کی مصروفیت بھی کم تھی تو اس وقت داستان لکھے جاتے تھے تاکہ اسے پڑھ کر لوگوں کا وقت آسانی سے گزر سکے۔ اس زمانے میں طویل قصے اور کہانیوں کو پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کی مصروفیات بڑھتی گئیں، ان کے پاس اب اتنا وقت نہ رہا کہ وہ طویل قصے کہانیاں پڑھ سکیں۔ اسی طرح غیر فطری قصوں سے بھی لوگوں کی دلچسپی کم ہونے لگی۔ تب حقیقت پر مبنی قصے اور کہانیاں لکھی جانے لگیں۔ یہ کہانیاں داستان سے چھوٹی ہوتی تھیں۔ ایسی کہانیوں کو ناول کا نام دیا گیا۔ پھر لوگوں کی مصروفیت اور زیادہ بڑھی تو افسانے کا وجود ہوا جس میں کسی واقعے، قصے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر اختر اورینوی رقم طراز ہیں:

> ''ایک اچھا افسانہ ایک کامیاب ڈرامے کی طرح معجزہ ہے ایجاز کا۔ باوجود اختصار کے فنّی حیثیت سے وہ ایک حسنِ کامل ہوتا ہے اور اپنے حسن وتکمیل کی وجہ سے ناظرین کے لیے ذہنی مسرّت کا سامان۔''

اس اقتباس کے مطالعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو افسانہ کس کو کہتے ہیں اور اس نے ارتقا کا سفر کیسے طے کیا نیز اس کا دائرۂ عمل کیا ہے۔ ایجاز واختصار اس کا اعجاز ہے، اس کی فن میں حسن کامل سمایا ہوتا ہے چنانچہ اسی تکمیل حسن کی غرض سے وہ ناظرین وقارئین کی ذہنی مسرت ودلی سکون کا سامان بن جاتا ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں افسانے کی تعریف بھی آگئی، اس کی تاریخ بھی اور یہ بھی ایک اچھے وکامیاب افسانے کیا کیا لوازمات ہوتے ہیں۔ جن کی شمولیت سے افسانہ اپنی تحریر اور افسانہ نگار کا مقصد حاصل کرتا ہے۔

1.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- افسانہ کی تعریف سے آگہی حاصل کی۔

- افسانہ اور ناول کے درمیان فرق کو سمجھا۔
- افسانہ کے اجزائے ترکیبی سے واقفیت حاصل کی۔
- افسانہ کے فن سے بحث کی۔
- افسانہ کی فنی خصوصیات وامتیازات سے واقفیت حاصل کی۔

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

ا۔ افسانے کی جامع تعریف کیجیے۔

۲۔ ناول اور افسانے کے درمیان فرق کو واضح کیجیے۔

۳۔ افسانے کے فن پر بحث کیجیے۔

۴۔ افسانے کی فنی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

1.6 سوالوں کے جوابات

ا۔ افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر ہے جس میں کسی خاص واقعے، قصے یا لمحے کو پر اثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے میں زندگی کے کسی واقعے یا کسی بھی پہلو کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ افسانہ سے پہلے ناول اور اس سے پہلے داستان کا رواج تھا۔ جب لوگوں کے پاس بہت وقت تھا۔ ان کی مصروفیت بھی کم تھی تو اس وقت داستان لکھے جاتے تھے تاکہ اسے پڑھ کر لوگوں کا وقت آسانی سے گزر سکے۔ اس زمانے میں طویل قصے اور کہانیوں کو پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کی مصروفیات بڑھتی گئیں، ان کے پاس اب اتنا وقت نہ رہا کہ وہ طویل قصے کہانیاں پڑھ سکیں۔ اسی طرح غیر فطری قصوں سے بھی لوگوں کی دلچسپی کم ہونے لگی۔ تب حقیقت پر مبنی قصے اور کہانیاں لکھی جانے لگیں۔ یہ کہانیاں داستان سے چھوٹی ہوتی تھیں۔ ایسی کہانیوں کو ناول کا نام دیا گیا۔ پھر لوگوں کی مصروفیت اور زیادہ بڑھی تو افسانے کا وجود ہوا جس میں کسی واقعے، قصے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کی طرح اس میں بھی حقیقت نگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں بھی انسانی زندگی سے جڑے حقیقی مسائل یا پہلو کو پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سماجی مسائل کو بھی عیاں کیا جاتا ہے۔ ناول اور افسانے میں فرق یہ ہے کہ ناول میں زندگی کے ہر پہلو کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی واقعات آپس میں ملے ہوتے ہیں اور کردار بھی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ جب کہ افسانہ زندگی کے کسی خاص پہلو یا کسی واقعے کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح مختصر کہانی ہونے کی وجہ سے اس میں کردار بھی کم ہوتے ہیں۔

اردو کی جدید نثری اصناف میں افسانہ کو ایک اہم صنف مانا گیا ہے۔ اردو میں اسے مختصر افسانہ اور کہانی بھی کہا گیا ہے۔ اپنی صنفی خصوصیات کے اعتبار سے افسانہ، داستان اور ناول سے مختلف صنف ہے۔ ناول اگر زندگی کے ایک دور کا احاطہ کرتا ہے تو افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو یا ایک انسانی تجربے پر مبنی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی ایک واقعے یا اس واقعے کے تاثر کی بنیاد پر افسانے کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ اردو میں افسانہ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ افسانہ ایک ایسا نثری قصّہ ہے جس کے پڑھنے میں آدھے گھنٹے تک کا وقت لگے یا یہ کہ افسانہ کسی شخص کی زندگی کے سب سے اہم اور دلچسپ موقع کو ڈرامائی شکل میں پیش کرنے کا نام ہے۔ ایک ناقد کا کہنا ہے کہ افسانہ کسی ایک واقعہ کا بیان ہے جس میں ابتدا ہو، درمیان ہو، عروج ہو اور خاتمہ ہو۔ افسانہ کی ایک آسان اور موزوں تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''افسانہ ایک ایسی نثری صنف ہے، جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو کم سے کم لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ بیان کا ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ دلچسپی قائم رہے اور افسانہ کا مقصد بھی واضح ہو جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تاثر کی وحدت ہر حال میں برقرار رہے۔ اُردو کے مختلف اُدبا اور ناقدین نے اپنے اپنے طور پر افسانہ کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔

۲۔ افسانہ میں ایک واقعہ، ایک جذبہ، ایک احساس، ایک تاثر، ایک اصلاحی مقصد، ایک روحانی کیفیت کو اس طرح کہانی میں بیان کرنا کہ وہ دوسری چیزوں سے الگ نمایاں ہو کہ پڑھنے والے کے جذبات واحساسات پر اثر انداز ہو، یہی افسانہ کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے اُسے داستان اور ناول سے الگ کیا ہے۔ مختصر افسانہ میں اختصار اور ایجاز کی دوسری امتیازی خصوصیت نے اُس کے فن میں سادگی، حسنِ ترتیب وتوازن کی صفت پیدا کی۔

۳۔ افسانہ کہتے ہیں خیالی بات کو جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ ادبی اصطلاح میں افسانہ ایسے نثری نصف کو کہتے ہیں جس میں کسے ایسے واقعے یا قصے کو بیان کیا گیا ہو جسے مختصر وقت میں پڑھا جاسکے۔ اردو ادب میں افسانے کی ابتدا سترہویں صدی میں داستان کی شکل میں ہوتی ہے، اور اردو زبان اولین نثری داستان لکھنے کا سہرا ملا وجہی کے سر بندھتا ہے۔ ملا وجہی نے 1045ھ مطابق 1635 میں 'سب رس' کے نام سے اسے تحریر کیا۔

افسانے نے بہت جلد لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی۔ مختصر افسانے کی ابتدا بیسوی صدی کی پہلی دہائی سے ہوتی ہے۔ راشد الخیری نے 1903 میں نصیر اور خدیجہ نامی افسانہ تحریر کیا جو مخزن میں لاہور سے شائع کیا گیا۔ یہ اردو زبان کا پہلا افسانہ تھا۔ صنف افسانہ کو بلندی وعروج پر پہنچانے میں منشی پریم چند کی جدو جہد اور ان کی کاوشوں کا بہت بڑا عمل، دخل ہے۔ 1908 میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' کے نام سے شائع ہوا جس نے ایک طرف انگریزی سرکار کی ناک میں دم کیا تو دوسری طرف اس نے

ہندستانیوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی اور انھیں شعور بخشا، چنانچہ اس کی اشاعت کیبرس ہی اس مجموعے کو انگریزی حکومت نے ضبط کرلیا اور اس ایک تحقیق کے مطابق اس کی کاپیاں نذر آتش کر دیں۔

1933 میں افسانوی مجموعہ انگارے کی اشاعت کے بعد مصنفین نے اس کی طرف خصوصی توجہ کرنی شروع کی۔ ترقی پسند مصنفین نے اس صنف کو مزید ترقی دی اور اسے اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کا ایک آلہ اور ذریعہ کے طور پر استعمال کیا۔ نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم، مجنوں گورکھپوری، علی عباس حسینی، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، سہیل عظیم آبادی جیسے بڑے افسانہ نگاروں نے اس صنف کی آب پاشی و آبیاری کی جس کے نتیجہ میں اس صنف نے ایک قلیل عرصے میں کثیر مقبولیت حاصل کیا۔ بقول وقار عظیم افسانہ نے انیسویں صدی سے اب تک جو درجہ حاصل کیا ہے اس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام اصناف کے مقابلے میں اس صنف نے زیادہ ترقی کی اور یہ زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں اول تو اس میں ناول، ڈراما، شاعری اور فنونِ لطیفہ کی خصوصیت ایک جگہ موجود ہیں، دوسرے اس کے پڑھنے کے لیے مختصر وقت درکار ہوتا ہے، جس کے بنا پر اسے ہر شخص اپنی دماغی تھکن کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ (افسانہ نگاری، ص:19)

مذکورہ بالا تفصیلات مزید اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اردو میں افسانہ شارٹ اسٹوری (Short Story) کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یہ بیسویں صدی کے آغاز میں مغرب کے زیر اثر، انگریزی کے وسیلے سے ہمارے ادب میں داخل ہوا ہے، لیکن روزِ اول سے ہندستانی رنگ و روپ میں رچ بس کر مقامی مزاج سے اس طرح ہم آہنگ ہو گیا کہ اسے درآمد شدہ ادبی صنف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی ہیئت مغربی ہے اور فن کا اکتساب بھی مغرب ہی سے کیا گیا ہے مگر اس کی دیگر صفات کا سلسلہ ہمارے قدیم ادبی سرمائے تک دراز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ادب سے متاثر ہونے کے باوجود اردو افسانے کی اپنی ایک شناخت اور پہچان ہے۔ اس نے ہندستان میں پروان چڑھنے والی کہانیوں کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے ملکی معاشرت، تہذیب اور قومی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ اس صنف کی پہچان عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں:

I اختصار ہوتا ہے۔

II زندگی کا موثر اظہار ہوتا ہے۔

III ارتکاز اور دلچسپی کے ساتھ بھرپور تاثر ہوتا ہے۔

۴۔ افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر ہے جس میں کسی خاص واقعے، قصے یا لمحے کو پراثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے میں زندگی کے کسی واقعے یا کسی بھی پہلو کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ افسانہ سے پہلے ناول اور اس سے پہلے داستان کا رواج تھا۔ جب لوگوں

کے پاس بہت وقت تھا۔ان کی مصروفیت بھی کم تھی تو اس وقت داستان لکھے جاتے تھے تا کہ اسے پڑھ کر لوگوں کا وقت آسانی سے گزر سکے۔اس زمانے میں طویل قصے اور کہانیوں کو پسند کیا جاتا تھا۔لیکن جیسے جیسے سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کی مصروفیات بڑھتی گئیں، ان کے پاس اب اتنا وقت نہ رہا کہ وہ طویل قصے کہانیاں پڑھ سکیں۔اسی طرح غیر فطری قصوں سے بھی لوگوں کی دلچسپی کم ہونے لگی۔تب حقیقت پر مبنی قصے اور کہانیاں لکھی جانے لگیں۔یہ کہانیاں داستان سے چھوٹی ہوتی تھیں۔ایسی کہانیوں کو ناول کا نام دیا گیا۔پھر لوگوں کی مصروفیت اور زیادہ بڑھی تو افسانے کا وجود ہوا جس میں کسی واقعے، قصے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اس ضمن میں پروفیسر اختر اورینوی رقم طراز ہیں:

> ''ایک اچھا افسانہ ایک کامیاب ڈرامے کی طرح معجزہ ہے ایجاز کا۔ باوجود اختصار کے فنّی حیثیت سے وہ ایک حسنِ کامل ہوتا ہے اور اپنے حسن وتکمیل کی وجہ سے ناظرین کے لیے ذہنی مسرّت کا سامان۔''

اس اقتباس کے مطالعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو افسانہ کس کو کہتے ہیں اور اس نے ارتقا کا سفر کیسے طے کیا نیز اس کا دائرۂ عمل کیا ہے۔ایجاز واختصار اس کا اعجاز ہے،اس کی فن میں حسن کامل سمایا ہوتا ہے چنانچہ اسی تکمیل حسن کی غرض سے وہ ناظرین وقارئین کی ذہنی مسرت ودلی سکون کا سامان بن جاتا ہے۔مذکوہ بالا اقتباس میں افسانے کی تعریف بھی آ گئی،اس کی تاریخ بھی اور یہ بھی ایک اچھے وکامیاب افسانے کیا کیا لوازمات ہوتے ہیں۔جن کی شمولیت سے افسانہ اپنی تحریر اور افسانہ نگار کا مقصد حاصل کرتا ہے۔

1.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
احاطہ کرنا	:	گھیرنا،سمیٹنا،جمع کرنا،محدود کردینا
اختصار	:	مختصر
استحکام	:	مضبوطی،ٹکاؤ،مستحکم
اکتساب	:	حاصل کرنا،لینا،مانگنا
انبساط	:	خوشی،راحت،فرحت
اواخر	:	آخر
اوائل	:	ابتدا،آغاز،شروعات
ایجاز	:	مختصر،تھوڑا،زیادہ تھوڑے میں سمیٹ لینا
پراثر	:	اثر دار،
پیچیدہ	:	مشکل،دقت طلب

ثروت مند	:	مال دار، امیر، دولت مند
ربط	:	رابطہ، جوڑ، ملاؤ
زائیدہ	:	پیدا کردہ، پیدا ہوئی
طوالت	:	لمبائی
عروج	:	بلندی، اونچا مقام
عصر حاضر	:	موجودہ وقت
عیاں	:	ظاہر
غیر فطری	:	جو فطرت کے مطابق نہ ہو، انوکھی
مبتدی	:	شروعات کرنے والا طالب علم، آغاز کرنے والا طالب علم
متمول	:	مال دار، دولت مند، امیر
مدارج	:	درجہ بندی، درجے
مظہر	:	اظہار، بیان، وضاحت، واضح کرنا
مقدم	:	آگے رکھنا،
ممیّز	:	امتیاز کرنا، چھانٹنا، فرق کرنا
موزوں	:	مناسب، بہتر
واجب العمل	:	ضروری، متعین، بندھے ٹکے، لازمی

1.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	ادبی نثر کا فنی ارتقا	:	فرمان فتح پوری
۲۔	اردو افسانہ: تحقیق و تنقید	:	ڈاکٹر انوار احمد
۳۔	اردو افسانہ، تعریف تاریخ اور تنقید	:	صغیر افراہیم
۴۔	اردو افسانہ روایت اور مسائل	:	گوپی چند نارنگ
۵۔	افسانے کی حمایت میں	:	شمس الرحمان فاروقی
۶۔	فن افسانہ نگاری	:	وقار عظیم
۷۔	نقوش (افسانہ نمبر)	:	محمد طفیل
۸۔	نیا اردو افسانہ	:	وقار عظیم
۹۔	نیا افسانہ: مسائل ومیلانات	:	قمر رئیس

اکائی 2 اردو میں افسانے کی روایت

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد
2.2 تمہید
2.3 اردو میں افسانے کی روایت
2.3.1 اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش
2.3.2 اُردو میں افسانے کی روایت
2.3.3 ماحصل
2.4 آپ نے کیا سیکھا؟
2.5 اپنا امتحان خود لیجیے
2.6 سوالوں کے جوابات
2.7 فرہنگ
2.8 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش سے متعارف ہوں گے۔
- اُردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- اُردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری سے بحث کریں گے۔
- اُردو افسانہ کے مختلف پڑاؤ سے آگاہ ہوں گے۔
- اُردو افسانہ کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کی روایت سے واقف ہوں گے۔

2.2 تمہید

عزیز طلبا: پچھلی اکائی میں ۔۔۔۔۔۔اب آپ اس اکائی میں اردو میں افسانے کی روایت کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔اردو میں افسانے کی ابتدائی نقوش سے واقفیت حاصل کریں۔اردو افسانے کے عہد بہ عہد رجحانات سے واقف ہوں گے۔ اردو افسانے کے فکر وفنی اور موضوعات آگہی حاصل کریں گے اور نمائندہ افسانہ نگاروں کی خصوصیات اور انفرادیت کو سمجھیں گے۔

2.3 اُردو میں افسانے کی روایت

2.3.1 اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش

اردو میں افسانہ نگاری کا باضابطہ آغاز بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوتا ہے۔اردو ادب میں یہ صنف مغرب کے زیر اثر رواج پائی۔انگریزی میں اس صنف کے لیے Short Story کی اصطلاح مستعمل ہے۔ابتدا میں اسے مختصر افسانہ سے موسوم کیا گیا لیکن بعد میں اسے ''افسانہ'' کے نام سے ہی جانا گیا۔لیکن اردو میں سب سے پہلا افسانہ کون سا ہے ناقدین کے نزدیک اختلاف ہے۔بعض ناقدین نے پیارے لال آشوب کے ''من سکھی اور سندر سنگھ'' کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیا ہے لیکن چونکہ اس میں کرداروں کا ایک ہجوم ہے اور رسومات کی جا بجا تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔اگر پیارے لال کا مقصد رسومات کا تعارف کرانا نہ ہوتا تو یہ مختصر قصہ اردو کا پہلا افسانہ قرار پاتا۔اسی طرح انشاء اللہ انؔشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' اسی زمرے میں آتی ہے۔حالانکہ اس میں ایک طرف مافوق الفطرت عناصر کا سہارا لیا گیا ہے تو دوسری طرف اس میں وحدت تاثر کا بھی فقدان ہے۔بقول وقار عظیم

> ''داستان گوئی کے عام اسلوب کے خلاف نہ قصے کو طول دیا گیا ہے اور نہ اس میں خواہ مخواہ کی الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا کی گئی ہیں۔''

افسانے کے ابتدائی نقوش ''اودھ پنچ'' (1877) میں بھی ملتے ہیں۔منشی سجاد حسین اور اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگاروں کے مزاحیہ خاکے اردو کے مختصر افسانوں کے اولین نقوش ہیں۔تہواروں اور موسموں کے متعلق مزاحیہ مضامین مثلاً عید، شب برات، محرم، بسنت اور ہولی کے سلسلے میں مضامین اس طرح لکھے گئے ہیں کہ وہ انگریزی کے اسکیچ (خاکہ) معلوم ہوتے ہیں۔یہ ایسے خاکے ہیں جن میں مختصر افسانے کی بعض خصوصیات موجود ہیں۔قرۃ العین حیدر نے بھی کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے کہ ''اواخر انیسویں صدی سے ''ایسّے'' اور اسکیچ اردو میں مقبول ہو چکے تھے، منشی سجاد حسین، منشی جوالا پرشاد شوق، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، نواب سید محمد آزاد اور علی محمود شمسی کے خاکوں نے مختصر افسانے کا بیج بو دیا تھا۔6 (قرۃ العین حیدر، داستان عہد گل، یلدرم سیمینار 1981، مرتب ثریا حسین، علی گڑھ، ص 50) فورٹ ولیم کالج کے قیام بھی افسانے کے فروغ میں اہمیت کا حامل ہے۔اس کالج میں جو داستانیں اردو زبان میں ترجمہ ہوئیں انہوں نے اردو افسانے کے ارتقا میں فضا کو سازگار بنایا۔اس سلسلے میں میر امن کی ''باغ و بہار''، بہادر علی حسینی کی نثر بے نظیر، حیدر بخش حیدری کی کہانیاں، ''لیلیٰ مجنوں''، ''آرائش محفل''، ''طوطا کہانی'' وغیرہ میں مختصر افسانے کی متعدد خصوصیات پائی جاتی ہیں۔البتہ میر امن کی باغ و بہار میں اردو افسانے کے ابتدائی نقوش بہت واضح نظر آتے ہیں۔ایک حد تک اس کتاب کو جدید افسانوی ادب کا نقطہ آغاز کہہ سکتے ہیں۔ہر چند کہ اسے فارسی سے ترجمہ کیا گیا تھا اور اس

میں داستان کے سبھی لوازم موجود تھے لیکن ''باغ و بہار'' میں کچھ باتیں ایسی آ گئیں جن کا تعلق براہ راست اس عہد کے معاشرتی احساس سے تھا۔ اگر اس کتاب کے کرداروں پر غور کیا جائے تو سبھی کردار گردوپیش سے منتخب کیے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ نہ صرف ظاہر حلیے سے اپنے معاشرتی ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ ان کی زبان بھی اپنے ماحول کی عکاس ہے۔ ''باغ و بہار'' کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اس کے اسلوب سے بعد میں مختصر افسانہ نگاروں نے بھی بہت کام لیا۔ میر امن نے عام بول چال کی زبان لکھ کر اور تہذیب و تمدن کی تفصیل بیان کر کے واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ ماحول کی عکاسی اور فضابندی کا سلیقہ بھی واضح کیا۔ بعض ناقدین سرسید کو اردو کا پہلا افسانہ نگار مانتے ہیں۔ ''گزرا ہوا زمانہ'' (1870) کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں سرسید نے ماحول کی خوبصورت منظر کشی کی ہے۔ اس میں وحدت تاثر بھی موجود ہے۔ ''گزرا ہوا زمانہ'' فن افسانہ نگاری کی کسوٹی پر بہت حد تک کھرے اترتے ہیں۔ پریم چند کے شروع کے افسانوں سے کسی طور کم نہیں ہے۔ خطوط غالب میں یہ فن ترقی یافتہ ہے۔ غالب نے اردو نثر کو مقفی اور مسجع عبارتوں سے چھٹکارا دلانے کی غیر شعوری کوشش کی۔ اس کے بعد رتن ناتھ سرشار اور مولوی نذیر احمد کی تحریروں میں بھی افسانے کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مختصر افسانے کی آمد سے قبل ہمارے یہاں ایسی تحریریں ملتی ہیں جن میں واضح طور پر افسانے کے عناصر موجود تھے لیکن ''مختصر افسانہ'' کا لفظ انگریزی کی افسانوی روایت کے ساتھ داخل ہوا۔ سجاد حیدر یلدرم نے پہلی بار شاٹ سٹوری کے مفہوم میں لفظ ''افسانہ'' استعمال کیا۔ (شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، ص 18، پاکستان اسٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی 1997)

یہ حقیقت ہے کہ اردو افسانے کی ابتدا بیسویں صدی کے آغاز سے ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں اردو کے جن ادیبوں نے مختصر افسانے لکھنے کی طرف شعوری توجہ دی ان میں راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم، پریم چند، خواجہ حسن نظامی اور نیاز فتحپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ علامہ راشد الخیری کا پہلا طبع زاد افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' ہے۔ یہ افسانہ 1903 میں مخزن لاہور سے شائع ہوا جو ایک خط کی شکل میں ہے جس میں بڑی بہن نے اپنے چھوٹے بھائی کو چند نصیحتیں کی ہیں۔ بعض محققین کے نزدیک یہ اردو کا پہلا افسانہ ہے۔ راشد الخیری کا ایک اور مختصر افسانہ ''عصمت و حسن'' کے نام سے مخزن میں 1906 میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ''رویائے مقصود'' 1907 میں اور ''کثرت ازدواج'' 1908 میں شائع ہوئے۔ بعض ناقدین شاد عظیم آبادی کا نام بھی لیتے ہیں اور ان کے افسانے ''افیون'' کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔

بعض ناقدین کے نزدیک اردو کے پہلے افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم ہیں۔ یلدرم نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز 1902 میں کیا تھا اور انہوں نے پہلا مختصر افسانہ ''نشے کی پہلی ترنگ (مطبوعہ معارف علی گڑھ، شمارہ 4، جلد 3، اکتوبر 1900) ہے۔ لیکن یہ طبع زاد افسانہ نہیں بلکہ خلیل رشدی کے ترکی افسانہ کا ترجمہ ہے۔ اس لیے اس کو اردو کا پہلا افسانہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح خواجہ حسن نظامی نے اپنا پہلا افسانہ ''غدر دہلی کے

قصے‘‘ کے عنوان سے 1911 تا1913 کے درمیان لکھے۔ بیشتر محققین اور ناقدین نے پریم چند کے افسانہ ’’دنیا کا سب سے انمول رتن‘‘ جو کہ ان کے افسانوی مجموعے ’’سوزِ وطن‘‘ میں شامل ہے اور یہ افسانہ 1907 میں ’’زمانہ‘‘ میں شائع ہوا تھا۔ اردو کا پہلا طبع زاد افسانہ قرار دیا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اردو افسانہ لکھنے والوں کی اولین فہرست میں علامہ راشد الخیری، پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم ہیں۔ ان میں طبع زاد افسانے لکھنے والے راشد الخیری اور پریم چند ہی ہیں۔

2.3.2 اُردو افسانے کی روایت

اردو میں افسانہ نگاری کی ابتدا بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوتی ہے۔ اس ابتدائی دور میں اردو کے افسانوی افق پر ایک ساتھ کئی رجحانات نظر آتے ہیں۔ کہیں حب الوطنی، قوم پرستی، سماجی اصلاح پسندی، سماجی برابری، دلت مسائل اور اصلاح نسواں وغیرہ کو افسانے کا موضوع بنایا گیا۔ کہیں ان میں رومانی رنگ و آہنگ کو ترجیح دی گئی اور ان افسانوں کو جمالیاتی کیفیات سے مملو کر کے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ ایک طرف حقیقت اور واقعیت کو جلوہ سامانی تھی تو دوسری طرف تخیل آمیز رومانی فضا۔ پھر انگارے کی اشاعت نے اردو افسانے کو ایک نیا موڑ دیا اور فکر و فنی تبدیلیوں سے ہمکنار کیا۔ 1936 میں ترقی پسند تحریک کے آغاز نے اردو افسانے پر سب سے زیادہ اپنے اثرات مرتب کیے۔ ترقی پسندوں نے خارجی مسائل و مصائب کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور ہیئت اور تکنیک کے تجربوں سے مالا مال کیا اور ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کو بام عروج پر پہنچایا۔ اس کے بعد جدیدیت کا رجحان فروغ پایا۔ اس کے زیر اثر علامتی، تمثیلی اور تجریدی افسانے منظر عام پر آئے۔ 1980 کے بعد مابعد جدیدیت رجحان کا دور شروع ہوا ہے۔ اس دور میں ابہام اور تجریدی کی جگہ بیانیہ افسانہ لکھنے کا رجحان بھی بڑھا اور استعاراتی اور علامتی انداز بھی پروان چڑھا۔ مابعد جدید افسانہ نگاروں نے اردو افسانے میں ایک نئی حرارت اور توانائی پیدا کی ہے۔ ان کے ذریعے تخلیق کا کینوس بھی وسیع ہو رہا ہے اور تجربات کی راہیں بھی روشن نظر آ رہی ہیں۔

رومانی افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم کو اولیت حاصل ہے۔ اردو افسانے کی بزم میں وہ ترجمے کے توسط سے داخل ہوئے۔ ان کا پہلا انشائیہ نما افسانہ ’’مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ‘‘ انگریزی افسانہ کا ترجمہ ہے۔ ان کا دوسرا افسانہ ’’نشہ کی پہلی ترنگ‘‘ (اکتوبر 1900) ہے۔ یہ افسانہ ترکی زبان کے مشہور افسانہ نگار خلیل رشدی بے کے افسانے کا ترجمہ ہے۔ یلدرم کا پہلا طبع زاد افسانہ ’’احمد‘‘ ہے۔ شخصی خاکے کی تکنیک پر لکھا ہوا یہ افسانہ کردار نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ’’خیالستان‘‘ کے نام سے 1910 میں منظر عام پر آیا۔ جو انشائیہ اور افسانے کی ملی جلی شکل میں ہیں اور بعض ترکی افسانے کے ترجمے ہیں۔ جن میں یلدرم نے بہت کچھ تصرف سے کام لیا ہے۔ باقی افسانے یلدرم کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ یلدرم کے افسانے کا موضوع عورت، محبت، حسن و عشق اور حسین مناظر فطرت ہے۔ ان افسانوں پر داستانی رنگ غالب ہے۔ ان داستانی

رنگ کے ساتھ زندگی کے متعدد مسائل بیان کیے ہیں۔ سماجی حقائق، انسانی نفسیات اور جنس جیسے مسئلے پر سب سے پہلے قلم اٹھایا ہے۔ ان کے افسانے تکنیک کے اعتبار سے خاصے کمزور ہیں لیکن نقش اول کی حیثیت سے جب ہم ان پر نظر ڈالتے ہیں تو پلاٹ اور کردار کی نشو ونما، ترتیب اور تنظیم ایک خاص زاویے سے نظر آتی ہے۔ ان کے افسانوں میں عبارت کی دل آویزی کے ساتھ ہی ساتھ کوئی نہ کوئی مقصد یا سبق آموزی کا جذبہ بھی موجزن ہوتا ہے۔

اس رجحان کو آگے بڑھانے میں نیاز فتحپوری کا نام صف اول میں آتا ہے۔ ان کے ابتدائی افسانے خالص رومانی، واقعاتی، جذباتی اور تاثراتی ہیں لیکن رفتہ رفتہ نیاز کے افسانوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ انہوں نے سماج کی بدعنوانیوں کو اصلاحی نقطہ نظر سے دیکھا اور انہیں افسانوں میں پیش کیا۔ ''ازدواج مکرر'' میں خانگی زندگی کی بہار و بدمزگی کو بڑے تیکھے انداز میں اجاگر کیا ہے اور مغرب و مشرق کی سماجی قدروں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ''خواب کے بعد بیداری''، ''ستی''، ''چنگاری''، ''کارِثواب''، ''ایثار''، ''شہید آزادی''، ''نجمہ اور بمبئی''، ''سودائے خام''، ''صدائے شکست'' اور ''چند گھنٹے ایک مولوی کے ساتھ'' وغیرہ ان کے اصلاحی اور معاشرتی افسانے ہیں۔

مجنوں گورکھپوری نے اردو افسانہ کو رومانی رجحان کے ساتھ مغربی خیالات سے روشناس کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مجنوں نے متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال کرداروں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر اردو افسانہ کو ایک مخصوص لب ولہجہ عطا کیا اور پہلی بار افسانہ کو فلسفیانہ میلان سے آشنا کرایا ہے۔ انہوں نے مغربی افکار و نظریات کا بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ خاص کر انگریزی ادب پر نظر گہری تھی۔ ان کے افسانوں پر انگریزی ادب کا اثر نمایاں ہے۔ انہوں نے ہارڈی کی افسانویت اور ان کی سنجیدگی و دلکشی کو بالکل اپنا لیا ہے۔ ''خواب وخیال''، ''بے گار''، ''شکست بے صدا''، ''سمن پوش''، ''تم میرے ہو'' ان کے اس خاص طرز کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کے وہ افسانے جن میں فکر کی بلندی اور فن کی پختگی بدرجہ اتم موجود ہے وہ ہیں ''خواب و خیال''، ''محبت کی قربانیاں''، ''تم میرے ہو''، ''ہتیا''، ''شکست بے صدا''، ''ہنگامہ''، ''مدفن تمنا''، ''محبت کا مزار''، ''بڑھاپا'' اور ''سالگرہ'' وغیرہ۔

اسی دور میں پریم چند جیسے عظیم فنکار، ادیب اور دانشور بھی افسانہ لکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ اردو ادب کو بیش بہا جواہر پارے عطا کیے۔ پریم چند نے اپنے افسانوں کی بنیاد رومانیت کے بجائے سماجی حقیقت نگاری پر رکھی اور ادب کا رشتہ عوام اور ان کے مسائل سے جوڑ دیا۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' ہے۔ اس میں کل پانچ افسانے ہیں۔ جن میں سے زیادہ تر افسانوں کا موضوع حبِ وطن اور جذبۂ قومی ہے۔ جس میں ہمیں اصلاح پسندی کا رجحان ملتا ہے۔ پریم چند کے ابتدائی افسانوں میں یلدرم، نیاز اور مجنوں کی طرح رومانیت اور عینیت کے ملے جلے اثرات ملتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا پریم چند کے شعور وفن میں پختگی آتی گئی اور رومانیت سے حقیقت نگاری کے قریب آ گئے۔ اس کی

بہترین مثال ان کا شاہکار افسانہ ''کفن'' ہے۔ جو دسمبر 1935 میں پہلی بار رسالہ ''جامعہ'' میں شائع ہوا۔ جس میں پریم چند، غربت، افلاس، کھیت اور مزدوروں کو ان کی اصلی روپ میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اس افسانہ میں گھیسو اور مادھو اور اس کی بیوی بدھیا دردِزہ میں مرجاتی ہے۔ پریم چند صرف کرداروں کے ذریعہ پورے سماج کو بے نقاب کیا ہے۔ یہ طبقاتی کشمکش اور استحصال کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ ''دودھ کی قیمت''، ''پوس کی رات''، ''دو بیل''، ''عیدگاہ''، ''سوا سیر گیہوں''، ''شطرنج کے کھلاڑی''، ''جرمانہ'' اور ''بلیدان'' وغیرہ میں حقیقت نگاری کی بے باک ترجمانی کی ہے۔ پریم چند کے بدولت اردو افسانہ ایک نئے رخ سے آشنا ہوا اور اسے ایک نئی سمت ملی۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے داستانی، رومانی اور تخیلی فضا سے ہٹ کر اردو افسانے کا ایک نیا فریم بنایا۔ سماجی حقیقت نگاری کی ٹھوس اور مضبوط روایت کی بنیاد رکھی

سدرشن نے بھی انہیں موضوعات کا انتخاب کیا جو پریم چند کے عزیز ترین موضوعات تھے۔ انہوں نے پریم چند کی طرح عوامی مسائل کو عوامی لب ولہجہ میں بیان کیا، متوسط اور پسماندہ طبقے کے افراد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور ان کے دکھ درد کو محسوس کرتے ہوئے حساس قاری کو ان کی کیفیات سے پوری طرح باخبر کیا۔ انہوں نے متوسط طبقے کے ہندو سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور فرسودہ رسم ورواج کی اصلاح کی۔ سدرشن انسانی جذبات واحساسات کو پیش کرنے میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے دیہی زندگی کے ساتھ شہری زندگی کے متوسط گھرانوں کے مسائل کو بھی اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ وہ مقلد ہونے کے باوجود افسانہ کی دنیا میں اپنے اندازِ فکر اور حسن بیان کے لحاظ سے ایک علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔

علی عباس حسینی نے بھی اصلاحی نقطۂ نظر کو وسعت دے کر خارجی حقیقت نگاری اور انقلابی رومانیت کی طرف آ گئے۔ پریم چند کے اثر سے انہوں نے دیہاتی زندگی کے مسائل کو اپنا خاص موضوع بنایا۔ علی عباس حسینی نے ترقی پسند تحریک سے پہلے ہندو مسلم اتحاد وقومی یکجہتی پر سب سے زیادہ کامیاب افسانے لکھے ہیں جس میں ان کا افسانہ ''ایک ماں کے دو بچے'' اردو کا ایک یادگار افسانہ ہے۔ پھر ''باسی پھول'' اور ''انسپکٹر کی عید'' جیسے مکمل افسانے بھی لکھے جن میں متوسط طبقے کی رومانی کشمکش کا عکس ملتا ہے۔

اس دور کے دوسرے اہم افسانہ نگار اعظم کریوی ہیں۔ جو پریم چند کی اصلاح پسند اور حقیقت نگاری کو اپنے افسانوں میں بڑی مہارت سے پیش کیا۔ اعظم کریوی نے اپنے افسانوں کا خام مواد دیہات اور وہاں کی اقتصادی، سماجی زندگی کی حقیقتوں سے پیدا شدہ مسائل سے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے کسانوں، مزدوروں، مفلس اور نادار لوگوں کی زندگیوں کے نشیب وفراز کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ فن اور تکنیک کے بدلتے ہوئے رجحان اعظم کریوی کے افسانوں میں بھی ملتا ہے۔ ان کے دو افسانے ''پریم کی لیلا'' اور ''بڑے بول کا سر نیچا'' فن اور تکنیک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اسلوب بیان کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ اس کے علاوہ ''ایڈیٹر''، ''گناہ کی گھڑی''، ''انصاف''، ''بگلا بھگت''، ''پگلی''، ''مایا''، ''دکھیا''، ''کنول'' وغیرہ اہم

افسانے ہیں۔

چودھری محمد علی ردولوی نے بھی پریم چند کی اصلاح پسندی اور حقیقت نگاری کو اپنے افسانوں میں بڑے حسن و خوبی سے پیش کیا ہے۔ اور پریم چند نے جتنے موضوعات گنوائے تھے ان پر محمد علی ردولوی نے نہ صرف گفتگو کی بلکہ انہیں اپنے افسانوں میں اچھوتے ڈھنگ سے پیش بھی کیا۔ چودھری محمد علی ردولوی نے اپنے افسانوں کی بنیاد محسوساتِ خارجی پر رکھی ہے۔ لیکن انہوں نے جو کچھ ظاہری آنکھ سے دیکھا ہے اسے باطنی حوالوں کے ساتھ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں محمد علی کا ''آنکھوں کی زبان''، ''گناہ کا خوف'' اور ''تیسری جنس'' ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔ اور افسانہ ''امیری کی بو'' لکھنؤ کی مٹتی ہوئی شرافت کا دردناک مرثیہ ہے۔

1932 میں ''انگارے'' کی اشاعت نے اردو افسانے کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ افسانے کے فن اور موضوع کو ایک نئی سمت عطا کیا۔ مذہبی اور سماجی مسائل کو حقیقت نگاری کے پیرائے میں بیان کرنے کی یہ پہلی کامیاب کوشش تھی۔ اس مجموعے کی اشاعت سے نہ صرف ادبی بلکہ سیاسی، سماجی اور مذہبی سطح پر بھی بڑی ہلچل مچ گئی۔ اس کے خلاف مختلف حلقوں سے احتجاج کی آواز بلند کی گئیں اور بالآخر بحکم سرکار اس مجموعے کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ مجموعہ زوال پذیر جاگیردارانہ معاشرت اور اس عہد کی ذہنی حقیقتوں کا مرقع تھا بلکہ ایک نئی نسل کے طرز فکر و احساس اور ایک نئے تصورفن کی آمد کا اعلان نامہ بھی۔ ''انگارے'' میں نو افسانے ہیں جن میں پانچ افسانے سجاد ظہیر کے، دو افسانے احمد علی کے، ایک افسانہ محمود الظفر کا اور ایک افسانہ رشید جہاں کا اور ان کا ایک مختصر ڈرامہ بھی شامل ہے۔ سجاد ظہیر کے پانچ افسانوں میں ''پھر یہ ہنگامہ'' اور ''دولاری'' فنی اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ ان افسانوں میں رائج اسلوب سے گریز کرتے ہوئے ''شعور کی رو'' اور ''آزاد تلازمۂ خیال کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے، پلاٹ اور اس کی ترتیب وغیرہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ ''انگارے'' کے ان کہانیوں میں حقیقت نگاری، فن کا ایک بلند اور نکھرا ہوا احساس ملتا ہے۔ تصور پرستی تخیلی اور رنگینی سے بالکل پاک ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''انگارے'' کی اشاعت ہی ترقی پسند افسانے کے لیے بشارت تھی اور اس کے لیے ایک اعلان نامہ تھی۔ قمر رئیس نے صحیح کہا ہے کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ انگارے کی اشاعت ہی ترقی پسند تحریک کی بشارت اور اس کا پہلا غیر رسمی اعلان نامہ تھی، جسے ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اسے نقطۂ کمال تک پہنچا دیا۔

جب 1936 میں ترقی پسند تحریک کا لکھنؤ میں پریم چند کے زیرِ صدارت قیام عمل آیا تو اس تحریک کے زیر اثر اردو کی تقریباً تمام اصنافِ ادب فکری و فنی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ بالخصوص اردو افسانے پر سب سے زیادہ اپنے اثرات مرتب کیے اور اردو افسانے میں سارے اہم تجربات اسی دور میں ہوئے جنہوں نے ایک مختصر مدت میں اردو افسانے کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ یہ دور اردو افسانے کا دورِ عروج کہلاتا ہے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل کو اپنی تخلیقات کا میں پیش

کیا اور اردو کو ہیئت اور نئی تکنیک سے روشناس کیا۔ چنانچہ ترقی پسند تحریک نے سب سے پہلے رومانیت پسندی کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اس تحریک نے افسانہ نگاری میں سماجی حقیقت نگاری پر پرزور اصرار کیا۔ حتیٰ کہ وہ افسانہ نگار جو رومانی فضاؤں کے اسیر تھے، ان رومانی طلسماتی فضاؤں کے اثر سے آزاد ہو کر حقیقت پسندی کی شاہراہ پر گامزن ہوگئے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اردو افسانہ کی اس روایت کو نہ صرف یہ کہ آگے بڑھایا بلکہ وقت اور زمانے کے ساتھ بدلتی ہوئی اقدار، زندگی کے نئے مسائل اور فن کی نت نئی راہوں کو اپنے فن میں سمو کر ایک نئی روایت قائم کی۔ نئی فکر اور فن کے ذریعے ترقی پسند افسانہ کی بنیاد مستحکم کیا ان ترقی پسند افسانہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی، پندرناتھ، اشک، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور اور قرۃ العین حیدر کے نام قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں کرشن چندر کا ایک نمایاں اور معتبر نام ہے۔ انہوں نے پریم چند کی روایات اور ''انگارے'' کے باغیانہ شعور کو پروان چڑھایا اور حقیقت نگاری کے رجحانات کو اپنی تخلیقات میں شامل کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ کرشن چندر نے اردو افسانہ میں سب سے زیادہ تجربات کیے کسی۔ انہوں نے جدید خیالات اور گہرے تجربات کے ساتھ افسانوی ادب میں داخل ہوئے اور اپنے فکر و فن سے اردو کے افسانوی سرمائے کو عالمی ادب کے روبرو لا کھڑا کیا۔ ان کے افسانوں کے موضوع کا دائرہ بہت وسیع ہے، تکنیک میں تنوع ہے اور جیتے جاگتے کردار ہوتے ہیں۔ کرشن چندر نے اپنی ادبی زندگی میں تقریباً 32 افسانوی مجموعے تحریر کیے جن میں 500 سے زائد افسانے ہیں۔ ''زندگی کے موڑ پر''، ''ان داتا''، ''ہم وحشی ہیں''، ''آدھے گھنٹے کا خدا''، ''کچرا بابا'' اور ''پشاور ایکسپریس'' کرشن چندر کے نمائندہ افسانے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی کا نام صف اول کے ترقی پسند افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے فکر و فن کے ترقی پسند افسانوی روایت کی نہ صرف تعمیر و تشکیل ہی کی بلکہ اسے نئی سمت و رفتار بھی عطا کیا۔ بیدی کسی ایک رجحان کے دائرے میں مقید نہیں رہے بلکہ ان کے فن کا ارتقا مختلف سمتوں میں ہوا ہے۔ بیدی کو جو بات سب سے ممتاز کرتی ہے وہ موضوع، مواد اور طرز کی پیش کش ہے۔ ان کی عظمت کا راز اسی رنگا رنگ اور نوع بہ نوع فنکاری میں ہے۔ بیدی کا پہلا افسانوی مجموعہ ''دانہ و دام'' ہے۔ ان کے دیگر افسانوی مجموعے ''گرہن''، ''کوکھ جلی''، ''لمبی لڑکی''، ''اپنے دکھ مجھے دے دو''، ''ہاتھ ہمارے قلم ہوئے'' اور ''مکتی بودھ'' قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سب سے زیادہ متنازع فیہ نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ جنہیں کبھی ترقی پسند اور رجعت پسند کہا گیا، تو کبھی جنس پرستی، انحطاط اور فحش نگاری کی بدترین مثال قرار دیا گیا، اور کسی نے زندگی کی گوناگوں حقیقتوں کو جرأت مندی سے پیش کر دینے والا سچا فنکار، ''ٹھنڈا گوشت''، ''دھواں''، ''کالی شلوار''، ''کھول دو''، ''اوپر نیچے درمیان'' اور ''بو'' جیسے افسانے لکھنے کے جرم میں منٹو پر کئی بار مقدمے چلائے گئے اور

عدالتوں میں حاضری دی اور جرمانہ بھی لگایا گیا۔منٹو کے افسانوں کی اہم خصوصیت اس کے کرداروں کی انفرادیت ہے۔انہوں نے اردو کے افسانے کو جیتے جاگتے اور نمائندہ کردار دیے ہیں۔''بابو گوپی ناتھ''،''ٹوبہ ٹیک سنگھ''،''ممد بھائی''،''موذیل''،''جانکی''،''ترقی''،''کاتب''،''نیلم''اور''حافظ منظور''وغیرہ یہ سب موجودہ دور کے تضادوں کے حامل ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سب سے نمایاں نام عصمت چغتائی کا ہے۔خواتین افسانہ نگاروں میں وہ بلاشبہ صف اول کی افسانہ نگار ہیں۔مغربی ادب بالخصوص برنارڈ شا سے بے حد متاثر تھیں۔ان کا ڈراما''فسادی''اسی اثر کا نتیجہ ہے۔بعد میں رشید جہاں کی شخصیت اور فن سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ان کی ابتدائی کہانیوں کی ہیروئن میں انگاروں والی رشید جہاں کا پرتو نظر آنے لگا۔جب کہ حق گوئی اور بے باکی میں بھی عصمت نے کسی حد تک انہی سے کسب فیض کیا ہے۔ان کے افسانوں میں نفسیاتی اور جنسی مسائل کی پیش کش اسی ادبی وابستگی ودلچسپی کا نتیجہ ہے۔جس کی بنا پر وہ منٹو کی طرح بے باک حقیقت نگار مشہور ہوئیں اور انتہائی اعتماد اور حوصلے کے ساتھ ان کا قلم ساری زندگی سماجی حقیقتوں کو بیان کیا۔ان کے افسانوی مجموعوں میں'' کلیاں''،''ایک بات''،''چوٹیں''، ''دو ہاتھ''،''چھوئی موئی''،''بدن کی خوشبو''،اور''لحاف''قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں احمد ندیم قاسمی کا بھی ایک معتبر نام ہے۔ان کی شناخت ایک شاعر،مدیر اور کالم نگار کی بھی ہے۔قاسمی نے افسانہ نگاری کی ابتدا 1936 میں''بدنصیب بت تراش''سے کی تھی۔انہوں نے دیہاتی اور شہری دونوں زندگی کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔قاسمی نے پریم چند کے بعد دیہاتی زندگی کو بڑی گہرائی اور گیرائی اور مشاہدات و تجربات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔انہوں نے خاص کر شمال مغربی پنجاب کے دیہاتوں کی مصوری کی ہے۔احمد ندیم قاسمی کے اب تک سولہ افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔احمد ندیم قاسمی نے تقسیم وطن اور فرقہ وارانہ فسادات پر بھی افسانہ لکھے ہیں۔''میں انسان ہوں''،''سناٹا''،''نمک حلال''، ''ارتقا''،''الحمداللہ''،''افق''،''کفارہ''،''مخبر''،''سب بھر آئی''اور''کفن دفن''وغیرہ یہ سب افسانے فنی اعتبار سے بہترین افسانے ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام حیات اللہ انصاری کا بھی ہے۔انہوں نے بہت تھوڑا لکھا اور اردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں اپنا نام رقم کرلیا۔ادبی زندگی کے ساتھ ساتھ صحافتی اور سیاسی زندگی بھی گزاری۔ادبی سفر کا آغاز''بڈھا سودخوار''سے ہوا۔ان کے صرف تین افسانوی مجموعے''انوکھی مصیبت''،''بھرے بازار میں''اور''شکستہ کنگورے''منظر عام پر آئے۔ان کے افسانوں کا موضوع سماجی زندگی کے گوناگوں مسائل ہیں۔جن پر انہوں نے منفرد زاویہ نظر کے تحت روشنی ڈالی ہے۔حیات اللہ انصاری نے بے شمار اچھے افسانے لکھے۔ان کا ایک لازوال افسانہ''آخری کوشش''ہے۔جس نے کافی شہرت پائی۔اور بہت سے ناقدین آج بھی انہیں اسی افسانے سے یاد کرتے ہیں۔

ان ترقی پسند افسانہ نگاروں کے علاوہ خواجہ احمد عباس، محمد حسن عسکری، عزیز احمد، سہیل عظیم آبادی، ممتاز مفتی، اختر انصاری، خواتین نگاروں میں قرۃ العین حیدر، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور وغیرہ نے اپنے فکروفن کے ذریعہ ترقی پسند افسانوں کو وسعت بھی دی اور اردو افسانے کے خزانے میں بیش بہا اضافہ بھی کیا۔

اردو افسانے کے فروغ میں جدیدیت کا بھی ایک اہم کردار رہا ہے۔ یوں تو جدیدیت کوئی تحریک نہیں تھی بلکہ ایک رجحان تھا جو ترقی پسند تحریک کے ردعمل کے طور پر وجود میں آیا۔ ترقی پسندوں نے ادب میں اجتماعی زندگی کو جگہ دی بالخصوص نچلے طبقے کی زندگی کے مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور انفرادیت کو ثانوی حیثیت دی تھی اور اسی حد سے بڑھی ہوئی اجتماعیت کے ردعمل کے طور پر یہ رجحان سامنے آیا جس نے سماج سے زیادہ فرد کے داخلی کوائف پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ اس رجحان میں اجتماعیت کی جگہ انفرادیت کو اہمیت دی گئی۔ عقل سے زیادہ جذبے پر زور دیا گیا۔ راست انداز بیان کی جگہ ابہام اور ''ادب برائے زندگی'' کی جگہ ''ادب برائے ادب'' کو بنیادی حیثیت دی گئی۔ جدیدیت کے فنکاوں نے ترقی پسند تحریک کی سیاست زدگی، نعرہ بازی اور اجتماعیت سے گریز کر کے انسان کے جذبات و احساسات کو پیش کیا۔ جدید افسانہ نگاروں نے ان تمام تر سانچوں کو توڑ دیا جو ترقی پسند تحریک نے وضع کیے تھے۔ انھوں نے افسانے کے لیے کسی بھی طرح کے اصول و ضوابط کو ضروری قرار نہیں دیا، پلاٹ، کردار، واقعہ، ماحول و فضا کے بغیر بھی افسانے لکھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے افسانے میں نت نئے تجربات بھی کیے اور علامتی، تجریدی اور تمثیلی افسانے بھی لکھے۔ اس دوران جدید افسانہ نگاروں نے چند خوبصورت افسانے اردو کو دیے۔ مثلاً بلراج مین را کے ''ماچس'' اور ''وہ''۔ سریندر پرکاش کے ''دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم''، ''رونے کی آواز''، ''سرنگ''، ''برف پر مکالمہ''۔ انتظار حسین کے ''آخری آدمی''، ''زرد کتا''، ''کایا کلپ''۔ جوگندر پال کے ''رسائی''، ''بازیافت''، ''رام لال کا قبر''۔ انور سجاد کے ''کونپل''، ''گائے''۔ خالدہ اصغر کے ''حواری''، ''ایک بوند لہو کی''۔ عبداللہ حسین کا ''ندی''، احمد ہمیش کے ''مکھی''، ''بے زمینی''۔ غیاث احمد گدی کا ''پرندہ پکڑنے والی گاڑی''۔ بلراج کومل کا ''کنواں''۔ دیویندر اسر کا ''کالی بلی''۔ کمار پاشی کے ''پہلے آسمان کا زوال''، ''ڈاچی والیا''۔ انور عظیم کا ''کھوپڑی''۔ قمر احسن کا ''اسپ''۔ غلام الثقلین کا ''ابے'' اور ڈاکٹر کاظمی کا ''دودھ کی بوتل'' وغیرہ علامتی اور تجریدی افسانوں سے جدیدیت کے رجحان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

جدیدیت کے منفی رویوں نے اردو افسانے کو خاصا نقصان پہنچایا۔ افسانہ کم، فلسفہ، تاریخ یا پھر ڈرائنگ زیادہ ہو گیا۔ اسلوب کے نام پر ثقیل نثر کا استعمال، مبہم اور غیر واضح علامتیں، گنجلک تمثیلیں اور قصہ پن کے فقدان نے اردو افسانہ اور قاری کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی تو آٹھویں دہائی میں افسانے میں ایک نئی نسل سامنے آئی۔ اس نسل نے جدیدیت کی علامتیت، مہملیت، لایعنیت، ذات پرستی اور یکا نگیت سے انحراف کیا۔ انھوں نے نت نئے مسائل کا نئے انداز سے اظہار کرنے کا نیا زاویہ افسانے میں پیش کیا۔ جس میں سماجی سروکار تھا، جس

میں بیانیہ کی واپسی،قصہ پن اورقاری سے نئے رشتے استوارکرنے کا شعور بھی تھا۔ان افسانہ نگاروں میں سید محمد اشرف، نیر مسعود ، عبدالصمد،شموئل احمد،حسین الحق،شفق،شوکت حیات،ساجد رشید،طارق چھتاری،ذکیہ مشہدی،حمید سہروردی،ترنم ریاض،مشرف عالم ذوقی،معین الدین جینابڑے، خالد جاوید اوراحمد صغیر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔مابعد جدید افسانہ نگاروں نے اردو کو بہت ہی خوبصورت اوراچھے افسانے دیے مثلاً گنبد کے کبوتر،گھڑیال (شوکت حیات)،آدمی،ڈار سے بچھڑے (سید محمد اشرف)،کابلی والے کی واپسی (انور قمر)،ٹوٹتے لمحوں کا دکھ (شفق)،انجام کار (سلام بن رزاق)، چادر والا آدمی اور میں (ساجد رشید)،نیم پلیٹ (طارق چھتاری)،بند مٹھی کا نوحہ (حسین الحق)،شہر (ترنم ریاض)، برسورام دھڑا کے سے (معین الدین جینابڑے)اورکوبڑ (خالد جاوید)وغیرہ اہم افسانے ہیں۔جن کی وجہ سے آج اردو افسانے ترقی کی طرف گامزن ہیں۔

2.3.3 ماحصل

اردو میں سب سے پہلا افسانہ کون سا ہے ناقدین کے نزدیک اختلاف ہے۔بعض ناقدین نے پیارے لال آشوب کے ''من سکھی اور سندر سنگھ'' کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیا ہے۔تو بعض انشاء اللہ انشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' کو تسلیم کرتے ہیں۔میرامن کی'' باغ وبہار''اردو افسانے کے ابتدائی نقوش بہت واضح نظر آتے ہیں۔ایک حد تک اس کتاب کو جدید افسانوی ادب کا نقطہ آغاز کہہ سکتے ہیں۔بعض ناقدین سرسید کے ''گزرا ہوا زمانہ'' (1870) کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔خطوط غالب ،اس کے بعد رتن ناتھ سرشار اور مولوی نذیر احمد کی تحریروں میں بھی افسانے کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔اردو افسانہ بیسویں صدی کی پیداوار ہے۔اردو کے جن ادیبوں نے مختصر افسانے لکھنے کی طرف شعوری توجہ دی ان میں راشد الخیری ،سجاد حیدر یلدرم، پریم چند،خواجہ حسن نظامی اور نیاز فتحپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔اردو میں افسانہ نگاری کی ابتدا بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوتی ہے۔اس ابتدائی دور میں اردو کے افسانوی افق پر ایک ساتھ کئی رجحانات نظر آتے ہیں۔کہیں حب الوطنی،قوم پرستی،سماجی اصلاح پسندی،سماجی برابری،دلت مسائل اوراصلاح نسواں وغیرہ کو افسانے کا موضوع بنایا گیا۔کہیں ان میں رومانی رنگ وآہنگ کو ترجیح دی گئی اوران افسانوں کو جمالیاتی کیفیات سے مملو کر کے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ایک طرف حقیقت اور واقعیت کو جلوہ سامانی تھی تو دوسری طرف تخیل آمیز رومانی فضا۔پھر انگارے کی اشاعت نے اردو افسانے کو ایک نیا موڑ دیا اور فکر وفنی تبدیلیوں سے ہمکنار کیا۔1936 میں ترقی پسند تحریک کے آغاز نے اردو افسانے پر سب سے زیادہ اپنے اثرات مرتب کیے۔ترقی پسندوں نے خارجی مسائل ومصائب کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور ہیئت اور تکنیک کے تجربوں سے مالا مال کیا اور ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کو بام عروج پر پہنچایا۔اس کے بعد جدیدیت کا رجحان فروغ پایا۔اس کے زیر اثر علامتی ،تمثیلی اور تجریدی افسانے منظر عام پر آئے۔ 1980 کے بعد

مابعد جدیدیت رجحان کا دور شروع ہوا ہے۔اس دور میں ابہام اور تجریدی کی جگہ بیانیہ افسانہ لکھنے کا رجحان بھی بڑھا اور استعاراتی اور علامتی انداز بھی پروان چڑھا۔مابعد جدید افسانہ نگاروں نے اردو افسانے میں ایک نئی حرارت اور توانائی پیدا کی ہے۔ان کے ذریعے تخلیق کا کینوس بھی وسیع ہو رہا ہے اور تجربات کی راہیں بھی روشن نظر آ رہی ہیں۔

2.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- اُردو میں افسانے کے ابتدائی نقوش سے آگہی حاصل کی۔
- اُردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں سے واقفیت حاصل کی۔
- اُردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری سے بحث کی۔
- اُردو افسانہ کے مختلف پڑاؤ سے آگہی حاصل کی۔
- اُردو افسانہ کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کی روایت سے واقفیت حاصل کی۔

2.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ اردو افسانے کے ابتدائی نقوش پر اظہار خیال کیجیے۔

۲۔ اردو افسانے کی روایت میں پریم چند کی افسانہ نگاری کی انفرادیت پر ایک نوٹ لکھیے۔

۳۔ افسانوی مجموعہ ''انگارے'' پر مختصراً اپنے خیال کا اظہار کیجیے۔

۴۔ ترقی پسند افسانے کے امتیازات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ جدیدیت اور اردو افسانے کے متعلق اپنی معلومات کو وضاحت سے لکھیے۔

2.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ افسانے کے ابتدائی نقوش ''اودھ پنچ'' (1877) میں بھی ملتے ہیں۔منشی سجاد حسین اور اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگاروں کے مزاحیہ خاکے اردو کے مختصر افسانوں کے اولین نقوش ہیں۔ تہواروں اور موسموں کے متعلق مزاحیہ مضامین مثلاً عید، شب برات، محرم، بسنت اور ہولی کے سلسلے میں مضامین اس طرح لکھے گئے ہیں کہ وہ انگریزی کے اسکیچ (خاکہ) معلوم ہوتے ہیں۔یہ ایسے خاکے ہیں جن میں مختصر افسانے کی بعض خصوصیات موجود ہیں۔فورٹ ولیم کالج کے قیام بھی افسانے کے فروغ میں

اہمیت کا حامل ہے۔اس سلسلے میں میرامن کی ''باغ و بہار'' اردو افسانے کے ابتدائی نقوش بہت واضح نظر آتے ہیں۔ایک حدتک اس کتاب کو جدید افسانوی ادب کا نقطہ آغاز کہہ سکتے ہیں۔بعض ناقدین سرسید کو اردو کا پہلا افسانہ نگار مانتے ہیں۔''گزرا ہوا زمانہ'' (1870) کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔خطوط غالب میں یہ فن ترقی یافتہ ہے ۔ غالب نے اردو نثر کو مقفی اور مسجع عبارتوں سے چھٹکارا دلانے کی غیر شعوری کوشش کی۔ اس کے بعد رتن ناتھ سرشار اور مولوی نذیر احمد کی تحریروں میں بھی افسانے کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ اردو افسانے کی ابتدا بیسویں صدی کے آغاز سے ہوتی ہے۔بیسویں صدی کے شروع میں اردو کے جن ادیبوں نے مختصر افسانے لکھنے کی طرف شعوری توجہ دی ان میں راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم، پریم چند، خوانہ حسن نظامی اور نیاز فتحپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔علامہ راشد الخیری کا پہلا طبع زاد افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' ہے۔یہ افسانہ 1903 میں مخزن لاہور سے شائع ہوا جو ایک خط کی شکل میں ہے۔بعض محققین کے نزدیک یہ اردو کا پہلا افسانہ ہے۔بعض ناقدین شاد عظیم آبادی کا نام بھی لیتے ہیں اوران کے افسانے ''افیون'' کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں۔بعض ناقدین کے نزدیک اردو کے پہلے افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم ہیں۔انہوں نے پہلا مختصر افسانہ ''نشے کی پہلی ترنگ (مطبوعہ معارف، علی گڑھ، شمارہ 4، جلد 3، اکتوبر 1900) ہے۔لیکن یہ طبع زاد افسانہ نہیں بلکہ خلیل رشدی کے ترکی افسانہ کا ترجمہ ہے۔اس لیے اس کو اردو کا پہلا افسانہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح خواجہ حسن نظامی نے اپنا پہلا افسانہ ''غدر دہلی کے قصے'' کے عنوان سے 1911 تا 1913 کے درمیان لکھے۔بیشتر محققین اور ناقدین نے پریم چند کے افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' جو کہ ان کے افسانوی مجموعے ''سوز وطن'' میں شامل ہے اور یہ افسانہ 1907 میں ''زمانہ'' میں شائع ہوا تھا۔اردو کا پہلا طبع زاد افسانہ قرار دیا ہے۔

۲۔ پریم چند نے اپنے افسانوں کی بنیاد رومانیت کے بجائے سماجی حقیقت نگاری پر رکھی اور ادب کا رشتہ عوام اوران کے مسائل سے جوڑ دیا۔پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' ہے۔ اس میں کل پانچ افسانے ہیں۔جن میں سے زیادہ تر افسانوں کا موضوع حبِ وطن اور جذبہ قومی ہے۔جس میں ہمیں اصلاح پسندی کا رجحان ملتا ہے۔پریم چند کے ابتدائی افسانوں میں یلدرم، نیاز اور مجنوں کی طرح رومانیت اور عینیت کے ملے جلے اثرات ملتے ہیں۔لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا پریم چند کے شعور وفن میں پختگی آتی گئی اور رومانیت سے حقیقت نگاری کے قریب آ گئے۔اس کی بہترین مثال ان کا شاہکار افسانہ ''کفن'' ہے۔ جو دسمبر 1935 میں پہلی بار رسالہ ''جامعہ'' میں شائع ہوا۔پریم چند صرف کرداروں کے ذریعہ پورے سماج کو بے نقاب کیا ہے۔یہ طبقاتی کشمکش اور استحصال کا بے مثال نمونہ

ہے۔اس کے علاوہ ''دودھ کی قیمت''، ''پوس کی رات''، ''دوبیل''، ''عیدگاہ''، ''سواسیر گیہوں''، ''شطرنج کے کھلاڑی''، ''جرمانہ'' اور ''بلیدان'' وغیرہ میں حقیقت نگاری کی بے باک ترجمانی کی ہے۔ پریم چند کے بدولت اردو افسانہ ایک نئے رخ سے آشنا ہوا اور اسے ایک نئی سمت ملی۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے داستانی، رومانی اور تخیلی فضا سے ہٹ کر اردو افسانے کا ایک نیا فریم بنایا۔ سماجی حقیقت نگاری کی ٹھوس اور مضبوط روایت کی بنیاد رکھی۔

۳۔ 1932 میں ''انگارے'' کی اشاعت نے اردو افسانے کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ افسانے کے فن اور موضوع کو ایک نئی سمت عطا کیا۔ مذہبی اور سماجی مسائل کو حقیقت نگاری کے پیرائے میں بیان کرنے کی یہ پہلی کامیاب کوشش تھی۔ اس مجموعے کی اشاعت سے نہ صرف ادبی بلکہ سیاسی، سماجی اور مذہبی سطح پر بھی بڑی ہلچل مچ گئی۔ اس کے خلاف مختلف حلقوں سے احتجاج کی آواز بلند کی گئیں اور بالآخر بحکم سرکار اس مجموعے کو ضبط کرلیا گیا۔ یہ مجموعہ زوال پذیر جاگیردارانہ معاشرت اور اس عہد کی ذہنی حقیقتوں کا مرقع تھا بلکہ ایک نئی نسل کے طرز فکر واحساس اور ایک نئے تصورفن کی آمد کا اعلان نامہ بھی۔ ''انگارے'' میں نو افسانے ہیں جن میں پانچ افسانے سجاد ظہیر کے، دو افسانے احمد علی کے ،ایک افسانہ محمودالظفر کا اور ایک افسانہ رشید جہاں کا اور ان کا ایک مختصر ڈرامہ بھی شامل ہے۔ سجاد ظہیر کے پانچ افسانوں میں ''پھر یہ ہنگامہ'' اور ''دولاری'' فنی اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ ان افسانوں میں رائج اسلوب سے گریز کرتے ہوئے ''شعور کی رو'' اور ''آزاد تلازمۂ خیال کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے، پلاٹ اور اس کی ترتیب وغیرہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ ''انگارے'' کے ان کہانیوں میں حقیقت نگاری، فن کا ایک بلند اور نکھرا ہوا احساس ملتا ہے۔ تصور پرستی، تخیلی اور رنگینی سے بالکل پاک ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''انگارے'' کی اشاعت ہی ترقی پسند افسانے کے لیے بشارت تھی اور اس کے لیے ایک اعلان نامہ تھی۔ قمر رئیس نے صحیح کہا ہے کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ انگارے کی اشاعت ہی ترقی پسند تحریک کی بشارت اور اس کا پہلا غیر رسمی اعلان نامہ تھی، جسے ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اسے نقطۂ کمال تک پہنچادیا۔

۴۔ اپریل 1936 میں ترقی پسند تحریک کا لکھنؤ میں پریم چند کے زیر صدارت قیام عمل میں آیا تو اس تحریک کے زیر اثر اردو کی تقریباً تمام اصنافِ ادب فکری وفنی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ بالخصوص اردو افسانے پر سب سے زیادہ اپنے اثرات مرتب کیے اور اردو افسانے میں سارے اہم تجربات اسی دور میں ہوئے جنھوں نے ایک مختصر مدت میں اردو افسانے کو بام عروج پر پہنچادیا۔ یہ دور اردو افسانے کا دورِ عروج کہلاتا ہے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل کو اپنی تخلیقات

کا میں پیش کیا اور اردو کو ہیئت اور نئی تکنیک سے روشناس کیا۔ چنانچہ ترقی پسند تحریک نے سب سے پہلے رومانیت پسندی کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اس تحریک نے افسانہ نگاری میں سماجی حقیقت نگاری پر پرزور اصرار کیا۔ حتیٰ کہ وہ افسانہ نگار جو رومانی فضاؤں کے اسیر تھے، ان رومانی طلسماتی فضاؤں کے اثر سے آزاد ہوکر حقیقت پسندی کی شاہراہ پر گامزن ہوگئے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اردو افسانہ کی اس روایت کو نہ صرف یہ کہ آگے بڑھایا بلکہ وقت اور زمانے کے ساتھ بدلتی ہوئی اقدار، زندگی کے نئے مسائل اور فن کی نت نئی راہوں کو اپنے فن میں سموکر ایک نئی روایت قائم کی۔ نئی فکر اور فن کے ذریعے ترقی پسند افسانہ کی بنیاد مستحکم کیا ان ترقی پسند افسانہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی، پندرناتھ، اشک، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور اور قرۃ العین حیدر کے نام قابل ذکر ہیں۔

۵۔ جدیدیت کوئی تحریک نہیں تھی بلکہ ایک رجحان تھا جو ترقی پسند تحریک کے ردعمل کے طور پر وجود میں آیا۔ ترقی پسندوں نے ادب میں اجتماعی زندگی کو جگہ دی بالخصوص نچلے طبقے کی زندگی کے مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور انفرادیت کو ثانوی حیثیت دی اور اسی حد سے بڑھی ہوئی اجتماعیت کے ردعمل یہ رجحان سامنے آیا جس نے سماج سے زیادہ فرد کے داخلی کوائف پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ اس رجحان میں اجتماعیت کی جگہ انفرادیت کو اہمیت دی گئی۔ عقل سے زیادہ جذبے پر زور دیا گیا۔ راست انداز بیان کی جگہ ابہام اور ''ادب برائے زندگی'' کی جگہ ''ادب برائے ادب'' کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ جدیدیت کے فنکاوں نے ترقی پسند تحریک کی سیاست زدگی، نعرہ بازی اور اجتماعیت سے گریز کر کے انسان کے جذبات واحساسات کو پیش کیا۔ جدید افسانہ نگاروں نے ان تمام تر سانچوں کو توڑ دیا جو ترقی پسند تحریک نے وضع کیے تھے۔ انہوں نے افسانے کے لیے کسی بھی طرح کے اصول وضوابط کو ضروری قرار نہیں دیا، پلاٹ، کردار، واقعہ، ماحول وفضا کے بغیر بھی افسانے لکھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے افسانے میں نت نئے نئے تجربات بھی کیے اور علامتی، تجریدی اور تمثیلی افسانے بھی لکھے۔ اس دوران جدید افسانہ نگاروں نے چند خوبصورت افسانے اردو کو دیے۔ اس علامتی اور تجریدی افسانوں سے جدیدیت کے رجحان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

2.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
نقوش	:	نقش کی جمع ،نشانات
منتہی	:	انتہا کو پہنچنے والا ،
مستعمل	:	استعمال ہونے والا
موسوم	:	نام دیا گیا،مشہور ومعروف
فقدان	:	خاتمہ،کسی چیز کا نہ ہونا
وحدت تاثر	:	کسی ادبی تخلیق کا قلب وذہن پر یکساں اثر
ارتقا	:	درجہ بدرجہ ترقی کرنا
کسوٹی	:	جانچ یا پرکھ کا معیار
مقفی	:	قافیہ کیا گیا، قافیہ دار
مسجع	:	وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں
طبع زاد	:	اپنا لکھا ہوا یا کہا ہوا
محقق	:	تحقیق کرنے والا
ترجیح	:	برتری،بہتری،فوقیت
ہمکنار	:	منسلک،ساتھ
تمثیلی	:	مثالی،جس مثال کے طور پر پیش کیا جائے
تجریدی	:	ذہنی وخیالی،اشارات پر مبنی
ابہام	:	پوشیدگی،عدم وضاحت
توسط	:	ذریعہ،وسیلہ
نفسیات	:	نفس سے متعلق باتوں کا علم،دلی کیفیات وجذبات
افکار	:	فکر کی جمع ،سوچ
استحصال	:	حاصل کرنا،ناجائز فائدہ اٹھانا
مقلد	:	تقلید کرنے والا،نقش قدم پر چلنے والا

اتحاد	:	اتفاق، ایکتا، میل جول
قومی یکجہتی	:	قومی اتحاد، قومی دوستی
اقتصادی	:	معاشی، مالیاتی
نشیب وفراز	:	پستی و بلندی
شعور کی رو	:	خیالات واحساسات کا تسلسل اور اس کی لہر
مرقع کشی	:	اپنا لکھا ہوا یا کہا ہوا
وسیع	:	پھیلا ہوا
تنوع	:	قسم قسم کا ہونا، نیا پن، جدت
تشکیل	:	شکل دینا، مرتب کرنا
مقید	:	قید کیا ہوا، قیدی
نوع بہ نوع	:	قسم قسم کے، طرح طرح کے
متنازع فیہ	:	جس کے متعلق جھگڑا ہو، اتفاق رائے نہ ہو
رجعت پسند	:	روایت پسند، قدامت پسند
جنسی	:	جنسیات سے منسوب
انحطاط	:	پستی، تنزل
مصوری	:	تصویر کشی، نقاشی
انفرادیت	:	منفرد ہونا، جس میں فرد کو اہمیت حاصل ہو
اجتماعیت	:	یکجا ہونا، اکٹھا ہونا
انحراف	:	انکار کرنا، مخالفت
فروغ	:	ترقی
گامزن	:	چلتا ہوا۔ تیز رفتار

2.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	اردوافسانہ اورافسانہ نگاری	:	ڈاکٹرفرمان فتحپوری
۲۔	اردوفکشن	:	آل احمدسرور
۳۔	فن افسانہ نگاری	:	وقارعظیم
۳۔	اردوافسانہ: روایت اورمسائل	:	گوپی چندنارنگ
۴۔	افسانے کی حمایت میں	:	شمس الرحمٰن فاروقی
۵۔	اردوافسانے کی روایت	:	مرزاحامدبیگ
۶۔	ترقی پسندافسانے میں ہیئت اورتکنیک کے تجربے	:	ڈاکٹرمخمورصدری

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY